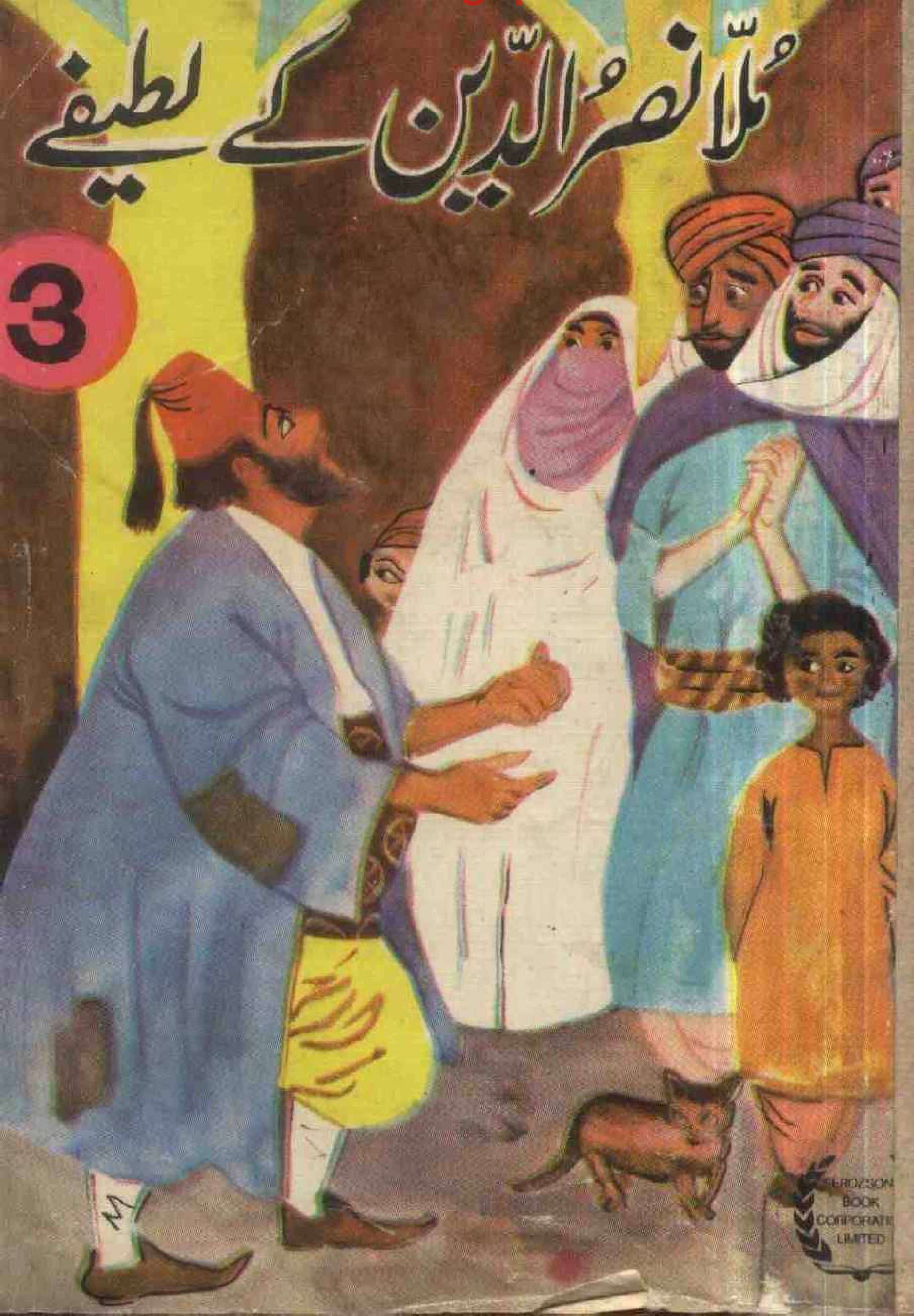


ملا نصرالدین کے لطیفے
3
FEROZSONS
BOOK
CORPORATE
LIMITED

مُلّا نصرالدّین کے لطیفے

(تیسرا حِصّہ)

سیّد سعید احمد
ایم۔اے، ایم۔ایس۔سی

FEROZSONS BOOK CORPORATION LIMITED

فیروز سنز بُک کارپوریشن لمیٹڈ

لاہور — راولپنڈی — ملتان — پشاور — حیدرآباد — کراچی

پہلی بار 1973ء
تعداد 3000
قیمت 1.00

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور، باہتمام عبدالحمید خاں پرنٹر و پبلشر

احسان کی حد

ایک دفعہ کا ذکر ہے، مُلا نصرالدین ایک حوض کے کنارے کھڑے تھے اور بڑی دلچسپی سے تیرنے والوں کو دیکھ رہے تھے کہ اچانک اُن کا پیر پھسل گیا۔ ممکن تھا کہ وہ حوض میں جا گرتے لیکن خوش قسمتی سے قریب ہی کھڑے ہوئے ایک آدمی نے اُن کو سنبھال لیا اور وہ گرنے سے بچ گئے۔ مُلا نے اس شخص کا شکریہ ادا کیا اور گھر کی راہ لی۔

کئی دن کے بعد وہی آدمی پھر مُلا کو نظر آیا۔ مُلا لپک کر اس سے ملے۔ حوض والے واقعہ کا ذکر چل نکلا۔ مُلا نے شکریہ ادا کیا اور اپنی راہ لی۔ بات یہیں پر ختم نہ ہوئی۔ اس آدمی نے اپنا یہ طریقہ بنا لیا کہ جب مُلا سے ملتا اپنا احسان جتاتا۔ مُلا بے چارے خاموش ہو جاتے اور اس کا احسان مانتے تب جا کر گلو خلاصی ہوتی۔

جب یہ سلسلہ کافی طول کھینچتا گیا تو مُلّا کو سخت غصّہ آیا۔ ایک دن انھوں نے اس آدمی کو پکڑا اور اپنے ساتھ زبردستی حوض پر لے گئے وہاں پہنچ کر وہ اچانک حوض میں کود گئے۔ پانی ان کی گردن تک تھا۔ اب مُلّا وہیں سے بولے؛ "دیکھیے جناب! میں آپ کا احسان سُن سُن کر تنگ آچکا ہوں اب آیندہ اپنا احسان نہ جتایئے گا۔ کیوں کہ میں اس دن کے بدلے آج یہاں کود گیا ہوں۔ اگر اُس دن بھی پیر پھسلنے سے حوض میں گرتا تو اِتنا ہی بھیگتا جتنا آج بھیگا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہ ہوتا۔ آپ اپنا احسان اپنے پاس رکھیے ــ!" یہ کہہ کر مُلّا حوض سے نکلے اور بھیگے کپڑوں ہی میں گھر روانہ ہو گئے۔

وقت وقت کی بات

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین غسل کرنے کے لیے ایک ترکستانی حمام میں گئے۔ حمام نہایت شان دار تھا۔ سنگِ مرمر کے فرش تھے اور مُلازمین بھی اچھے صاف ستھرے لباس میں تھے۔ اِتفاق سے مُلّا نصرالدین کا حلیہ بہت ہی خراب تھا، کپڑے میلے کچیلے تھے چہرہ گرد میں اَٹا ہوا تھا۔ حمام کے مُلازمین یہ سمجھے کہ کوئی غریب آدمی آیا ہے۔ انھوں نے کوئی خاص توجّہ نہ دی۔ ایک پھٹا پُرانا تولیہ پکڑا دیا اور دیسی صابن کا ایک ٹکڑا دے کر سب سے خراب حمام میں جانے کا اِشارہ کر دیا۔

مُلّا کو طیش تو بہت آیا لیکن زبان سے اپنی تعریف میں کچھ نہ کہہ سکے۔ چپکے سے بتائے ہوئے حمام میں جا کر نہائے۔ پھر باہر نکل کر حمام کے ہر مُلازم کو ایک ایک اشرفی دی اور اپنے گھر کی راہ لی۔ ملازمین نے جو اشرفیاں دیکھیں تو بہت پچھتائے اور سوچنے لگے کہ اِتنی خراب خدمت پر بڑے میاں نے ایک ایک اشرفی دی اگر باقاعدہ کام کیا ہوتا تو خُدا جانے کیا مِل جاتا۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔

کچھ عرصے کے بعد مُلّا پھر اسی حمام میں پہنچے۔ مُلازمین انھیں دیکھتے ہی پہچان گئے۔ سب نے باری

باری جھک جھک کر سلام کیا۔ خیر و عافیت پوچھی اس کے بعد ملا کے لیے نیا تولیہ نکالا اور خوشبودار صابن کی ایک نئی بٹی بھی حمام میں رکھی۔ ایک ملازم ان کو ساتھ لے کر حمام تک گیا۔ جب وہ غسل سے فارغ ہوئے تو ان کے سر پر تیل کی مالش کی گئی۔ ہاتھ پاؤں دبائے اور پھر بڑے ادب سے رخصت کیا۔ ملا نے چلتے وقت ہر ملازم کے ہاتھ میں ایک ایک پیسہ رکھ دیا۔ ملازمین تو بڑے انعام کی امید میں تھے۔ پیسہ دیکھ کر پریشان ہوئے اور ملا کی طرف دیکھنے لگے۔ ملا پہلے سے اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کو تیار تھے۔ جھٹ بولے:

"پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ میں نے جو کچھ آپ لوگوں کو دیا ہے وہ آج کی اجرت ہرگز نہیں ہے۔ یہ تو آج سے پہلے جب میں آیا تھا اس دن کی مزدوری ہے۔ رہ گیا آج کا کام سو اس کی اجرت میں پہلے روز ادا کر گیا تھا۔"

یہ سن کر تمام ملازمین ہکا بکا رہ گئے۔ ملا اطمینان سے دکان سے باہر آ گئے۔

بحث و تکرار

ایک دن ملا نصرالدین اور ان کی بیوی میں رات کے وقت صدر دروازے کی کنڈی لگانے پر بحث ہو گئی۔ ملا کہتے تھے کہ روزانہ میں کنڈی لگاتا ہوں آج ہرگز نہ لگاؤں گا۔ بیوی کا کہنا تھا کہ یہ غلط ہے، کنڈی میں لگاتی ہوں۔ کافی دیر تک تکرار ہونے کے بعد اس پر اتفاق ہوا کہ آج وہ کنڈی لگائے گا جو پہلے بولے گا۔ یہ کہہ کر دونوں چپ ہو گئے اور ایک دوسرے کی زبان کھلنے کا انتظار کرنے لگے۔

اسی خاموشی کے عالم میں کافی رات ہو گئی۔ بیوی نے رات کا کھانا دسترخوان پر چنا۔ دونوں میاں بیوی دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ وہ کھانا شروع کرنے ہی کو تھے کہ اچانک کسی فقیر نے دروازے پر صدا دی۔ دونوں میں سے کوئی نہ بولا۔ فقیر نے جو دروازہ کھلا پایا تو آہستہ سے مکان میں داخل ہو گیا اور ان لوگوں کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ یہ لوگ اس پر بھی کچھ نہ بولے۔ فقیر کی کچھ سمجھ

میں نہ آیا کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ وہ کچھ دیر تک بڑے سکون سے دیکھتا رہا لیکن بعد میں اپنی بھوک پر قابو نہ رکھ سکا۔ اُس نے چپکے سے سالن روٹی اپنی طرف کھینچی اور کھانا شروع کر دیا۔ مُلّا اور ان کی بیوی دیکھتے رہے لیکن مُنھ سے کچھ نہ بولے۔ انھیں کُنڈی لگانے سے بڑھ کر اپنی بات خراب ہونے کا ڈر تھا۔

فقیر دھیرے دھیرے سب کھانا چٹ کر گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب بھی دونوں میاں بیوی چُپ سادھے بیٹھے ہیں تو اس کو شرارت سُوجھی۔ اس نے بچی کھچی ہڈیوں کا ہار بنایا اور مُلّا کے گلے میں ڈال کر گھر سے باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی ایک کُتّا گھس آیا۔ کُتّے نے آتے ہی مُلّا کے گلے میں پڑی ہوئی ہڈیوں پر مُنھ مارا اور ایک ہڈّی مُنھ میں دبا کر باہر نکلنا چاہا۔ مُلّا کو ڈر لگا کہ کہیں کُتّا خود مجھے ہی نہ زخمی کر دے اس لیے وہ کُتّے کے ساتھ ساتھ گھر سے باہر نکل آئے۔ اب تو بیوی سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ یک دم چلّائی:

"اے خدا کے بندے! اب تو لوٹ آؤ، کُنڈی

نہیں لگاتا ہے تو نہ لگاؤ۔"

بیوی کی آواز سُن کر مُلّا کی جان میں جان آئی۔ ہڈّی کی مالا گلے سے اُتار پھینکی اور ڈنڈا اُٹھا کر کُتّے کو مار بھگایا۔ پھر بیوی سے بولے:

"دیکھا، کس کی جیت ہُوئی؟ یہ سچ ہے کہ مرد ہمیشہ عورت پر حاوی رہتا ہے۔ اب جاؤ اور خاموشی سے کُنڈی لگا کر آؤ۔"

رمضان کا چاند

رمضان کا مہینہ تھا۔ روزہ کھولنے کے بعد مُلّا نصرالدین کسی کام سے بازار کی طرف نکل گئے۔ راستے میں ایک کنواں مِلا۔ اتفاق سے مُلّا کی نظر کنویں کے اندر پہنچ گئی۔ اس میں چاند کا عکس نظر آ رہا تھا۔ مُلّا کو بڑی تشویش ہُوئی۔ وہ سوچنے لگے کہ غالبًا چاند کنویں میں گر گیا ہے۔ اس کو فورًا نکال لینا چاہیے کیوں کہ اگر یہ یہیں ڈوبا رہا تو رمضان کا مہینہ کبھی ختم نہ ہو گا۔ پھر ہماری بڑی مصیبت ہو گی کیوں کہ ساری زندگی روزہ رکھتے ہی گزرے گی۔ یہ خیال آتے ہی وہ

دوڑے ہوئے گھر گئے اور ایک لمبی رسّی لے کر کنوئیں کے پاس پہنچ گئے۔

یہاں پہنچ کر اُنھوں نے رسّی کنوئیں میں ڈالی اور آواز دے کر کہا:

"اے میاں چاند! رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ اسی میں تمھاری زندگی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمھاری چمک دمک ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے۔"

اتفاق کی بات رسّی کا سرا کسی چٹان میں پھنس گیا اب مُلّا نے رسّی کو کھینچنا شروع کیا۔ رسّی اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ مُلّا سمجھے کہ چاند بہت وزنی ہے اس لیے مجھ سے نہیں کھنچ رہا ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے پوری قوّت سے کھینچنے کی کوشش کی۔ اِس تگ و دو میں رسّی چٹان سے نکل گئی۔ مُلّا جو پوری قوّت سے اس کو کھینچ رہے تھے پیچھے کی طرف دھڑام سے گر پڑے۔ کافی چوٹ آئی لیکن جب آسمان پر نظر گئی تو اُن کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ چاند اپنی پوری آب و تاب سے آسمان پر چمک رہا تھا۔ وہ اپنے آپ سے بولے:

"اللہ کا شکر ہے میری محنت کام آ گئی۔ میں زمین پر تو گرا لیکن چاند کو آسمان پر پہنچا کے رہا۔"

چوری کی وجہ

ایک دن کا ذکر ہے مُلّا نصرالدّین کی جیب بالکل خالی تھی۔ کھانا پکانے کے لیے گوشت ترکاری کے بھی پیسے نہ تھے۔ جب انھیں پیسوں کے حصول کی کوئی ترکیب سمجھ میں نہ آئی تو انھوں نے چوری کی ٹھانی۔ گھر کے نزدیک ہی ایک صاحب کے باغ میں سبزیاں لگی ہوئی تھیں۔ مُلّا اس باغ میں پہنچ گئے اور جس قدر سبزیاں توڑ سکتے تھے توڑ لیں اور تھیلے میں بھر کے گھر کی طرف چل دیے اتفاق کی بات، باغ کا مالی مُلّا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ لپک کر مُلّا کے قریب آیا اور ان سے پوچھا:

"کیوں جناب آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"محترم! آج زبردست آندھی آئی تھی، مجھ کو اُڑا کر یہاں لے آئی۔ میں خود تو یہاں نہیں آیا ہوں۔"

"مگر سبزیاں کس نے توڑیں؟" مالی نے پوچھا۔

"میں نے آندھی سے بچنے کے لیے ان کو پکڑ لیا تھا۔ وہ ٹوٹ کر ہاتھ میں آ گئیں۔" مُلّا نے جواب دیا۔

"لیکن وہ آپ کے تھیلے میں کیسے پہنچ گئیں؟" مالی نے پھر پوچھا۔

"اس کے بارے میں مجھے خود بھی بڑا تعجب ہے۔ میں یہاں کھڑا یہی سوچ رہا تھا کہ ترکاری تھیلے میں کیوں کر پہنچ گئی! اسی دوران آپ آ گئے۔"

اہمیت

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین کافی عرصے کے لیے گاؤں سے باہر چلے گئے۔ جب اُن کی واپسی ہوئی تو انھوں نے دیکھا کہ گاؤں کا بچّہ بچّہ بازار کی طرف بھاگ رہا ہے۔ انھیں بڑا تعجب ہوا آخر کار ایک آدمی کو روک کر پوچھ ہی لیا کہ کیا ماجرا ہے؟ راہ گیر نے جواب دیا:

"تعجب ہے تمھیں خبر نہیں ـــ! ارے بھائی ایک آدمی حج کر گیا تھا۔ وہ آج ہی واپس آیا

ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس سال ایک لاکھ مسلمانوں نے اُس کے ساتھ حج کیا۔ چنانچہ اپنے حج کی باتیں تمام گاؤں والوں کو بتانے والا ہے۔ ہم لوگ وہیں جا رہے ہیں۔"

مُلّا نے جو یہ جواب سُنا تو ان کو اور بھی حیرت ہوئی۔ وہ بے ساختہ بولے:

"میں تو سمجھا کہ وہ آدمی کعبہ شریف نہیں گیا تھا۔ کعبہ شریف خود اس حاجی کی زیارت کے لیے آیا تھا۔ جبھی تو اتنی خلقت بھاگی چلی جا رہی ہے۔"

بزرگانہ شان

ایک دفعہ مُلّا نصرالدین بحری جہاز پر سفر کر رہے تھے۔ اچانک سمندر میں طوفان آ گیا۔ جہاز ہچکولے کھانے لگا۔ مُلّا طوفان آنے سے پہلے بہت دیر سے دوسرے مسافروں کو ڈرا رہے تھے کہ طوفان آنے والا ہے۔ ہوشیار بیٹھو۔ جب سچ مچ طوفان آیا تو مسافروں کو مُلّا کی بزرگی کا قائل ہونا پڑا۔ وہ سب اُن کے قدموں میں گر پڑے

اور گڑگڑا کر اِلتجا کرنے لگے کہ خُدا را ہمیں طُوفان سے بچائیے۔

مُلّا نے جب دُوسروں کو اپنا مُعتقد پایا تو سینہ تان کر کھڑے ہو گئے اور بولے "اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ تم لوگوں نے پہلے میری بات کا کوئی خیال نہ کیا اور اپنی رنگ رلیوں میں پڑے رہے۔ اب مزہ چکھو۔ یاد رکھو اس طوفان سے تمھیں کوئی نہیں بچا سکتا۔"

مُسافروں نے جب مُلّا کو راضی ہوتے نہ دیکھا تو بولے کہ اگر ہم لوگ بچ گئے تو آپ کو اِتنا اِنعام و اِکرام دیں گے کہ آپ خُوش ہو جائیں گے۔

اِسی اثنا میں جہاز طُوفان کی زد سے باہر نکل گیا۔

مُلّا نے مُسافروں کو مُخاطب کیا اور بولے:

"دوستو! تم لوگ بڑے فضول خرچ واقع ہُوئے ہو۔ اِسی فضول خرچی کی وجہ سے تمھیں مُصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آیندہ فضول خرچی سے پرہیز کرنا۔ مُجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔ جاؤ اللہ نے تمھیں بچا لیا ہے — عنقریب تم لوگ ساحل پر ہو گے۔"

پانچواں شوہر

مُلّا نصرُالدّین نے جس عورت سے شادی کی تھی وہ بیوہ تھی۔ اس کے تین شوہر ایک کے بعد ایک مر چُکے تھے۔ مُلّا چوتھے شوہر تھے۔ ایک دفعہ وہ سخت بیمار پڑ گئے۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ بیوی کو جب معلوم ہُوا کہ مُلّا کے بچنے کی کوئی اُمّید نہیں ہے تو وہ رونے لگی اور اس کے سرہانے بیٹھ کر بولی:

"ہائے میں کیا کروں؟ تُم مجھے کس کے سپُرد کیے جا رہے ہو؟"

مُلّا نے فوراً جواب دیا "پانچویں شوہر کے!"

اِتنا بے وقُوف نہیں

مُلّا نصرُالدّین اپنے گھر کا تمام سودا سُلف خُود ہی لاتے تھے۔ ایک دن وہ گیہوں خریدنے گئے۔ دُکان پر پہنچ کر گیہوں کی بوریوں کا بغور مُعاینہ کیا اور پھر ایک بوری پسند کر کے خرید لی۔ دُکان دار گیہوں تول کر دُوسرے گاہکوں سے بات کرنے لگا

ملّا نے موقع غنیمت جانا اور مٹھی میں گیہوں بھر کر جلدی جلدی اپنی بوری میں ڈالنے لگے ۔ دکان دار نے دیکھ لیا ۔ اس نے ملّا کو پکڑ کے عدالت میں پیش کیا ۔ قاضی نے ملّا سے سوال کیا :

"تم نے دکان کی بوری سے گیہوں نکال کر اپنی بوری میں کیوں ڈالے ؟"

ملّا نے جواب دیا "حضور! میں بے وقوف آدمی ہوں۔ اپنے اور دکان دار کے گیہوں میں تمیز نہ کر سکا ۔ ان کو بھی اپنا ہی سمجھ کر اپنی بوری میں ڈالنے لگا "

قاضی نے تعجب سے پوچھا "جب تم بے وقوف تھے تو یہ بھی تو کر سکتے تھے کہ اپنے گیہوں دکان دار کی بوری میں ڈال دیتے !"

ملّا نے جواب دیا "عالی جاہ میں بے وقوف ضرور ہوں لیکن اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اپنی چیز بھی نہ پہچان سکوں "

اندھا کیا چاہے ؟

ایک دن ملّا نصرالدین کا اپنی بیوی سے کسی

بات پر جھگڑا ہو گیا ۔ کافی دیر تک تُو تُو میں میں ہوتی رہی ۔ اچانک ملّا کا غصّہ تیز ہو گیا ۔ وہ زور زور سے گرجنے لگے ۔ پھر اپنی جگہ سے اُٹھے اور بیوی کی طرف لپکے ۔ بیوی بے چاری یہ سمجھی کہ ملّا مجھے مارنے آ رہے ہیں۔ چنانچہ وہ خوف زدہ ہو کر گھر سے نکل گئی اور قریب کے ایک مکان میں گھس گئی ۔ اس مکان میں شادی کا ہنگامہ تھا بارات آ چکی تھی ۔ کھانا کھلانے کا انتظام ہو رہا تھا ۔ جونہی بیوی اس گھر میں داخل ہوئی پیچھے پیچھے ملّا بھی پہنچ گئے ۔ وہاں پہنچ کر بھی ان کا غصّہ ٹھنڈا نہ ہوا ۔ خوب زور سے چیختے رہے ۔ پڑوسیوں کو بڑی شرمندگی ہوئی ۔ انھوں نے ملّا سے بڑی منت سماجت کی کہ خاموش ہو جائیے لیکن جتنا انھیں سمجھایا گیا ان کا پارہ اتنا ہی چڑھتا گیا ۔

اب دوسرے مہمانوں نے بھی ملّا کو سمجھانا شروع کیا اور ان سے کھانا کھانے کی بھی درخواست کی ۔ کھانے کا نام سن کر ان کا غصّہ کافور ہو گیا ۔ جھٹ ہاتھ دھو کر دسترخوان پر بیٹھ گئے ۔ ادھر بیوی بھی عورتوں میں کھانا کھانے بیٹھ گئی ۔ دونوں

نے خوب پیٹ بھر کے کھانا کھایا۔ جب گھر واپس آئے تو مُلّا نے بیوی سے کہا:

"بیگم! آج میں تم کو مان گیا۔ اب تو تم اکثر میرا غصّہ تیز کر دیا کرو۔ زندگی دراصل اِسی کا نام ہے۔"

مُنافع خور

ایک دِن مُلّا نصرُالدّین نے کئی درجن انڈے خریدے اور انھیں لے کر بازار میں کھڑے ہو گئے تھوڑی دیر میں انھوں نے تمام انڈے کم قیمت پر بیچ دیے۔ کِسی دوست نے پُوچھ لیا:

"کیوں مُلّا! یہ کیا عقل مندی ہے۔ زیادہ پیسوں میں انڈے خرید کر کم پیسوں میں کیوں بیچ دیے؟"

"اب تو کوئی مجھے مُنافع خور نہ کہہ سکے گا!" مُلّا نے برجستہ جواب دیا۔

پانی کی بدتمیزی

ایک مُلّا نصرُالدّین کِسی سڑک سے گزر رہے تھے اچانک انھیں پیاس لگی۔ اُنھوں نے چاروں طرف

نگاہ دوڑائی تا کہ کہیں پانی مِل جائے۔ اِتّفاق سے اسی سڑک کے کنارے ایک نلکا لگا تھا جس میں ٹونٹی نہیں تھی۔ ٹونٹی کی جگہ کِسی نے لکڑی کا ڈنڈا ٹھونس دیا تھا۔ مُلّا بڑے خوش ہُوئے اور نلکے کے پاس پہنچ کر لکڑی کو باہر کھینچ لیا۔ پانی اتنی تیزی سے باہر نِکلا کہ مُلّا گھبرا گئے۔ اُن کے تمام کپڑے پانی سے بھیگ گئے۔ پانی پینا تو ایک طرف رہا وہ بھاگ کے دُوسری طرف کھڑے ہو گئے اور وہیں سے گرج کر بولے:

"اوہو! تو یہ بات ہے ــــ! اسی لیے تمھارے مُنھ میں لکڑی ٹھونسی گئی تھی۔ لیکن افسوس! اب بھی تمھیں تمیز نہ آئی۔ اب تو اپنی بدتمیزی سے باز آ جاؤ ـــ!"

مُجرم کون

ایک دفعہ مُلّا نصرُالدّین اپنی بیوی کے ساتھ کِسی عزیز کے گھر گئے۔ عزیز کے اصرار پر وہ دونوں ایک رات وہیں رہ گئے اور دُوسرے دِن صُبح اپنے گھر لوٹے۔ یہاں آ کر دیکھا کہ گھر میں چوری

ہو گئی ہے۔ چور تنکا تنکا اُٹھا کر لے گئے۔ میاں بیوی سخت رنجیدہ ہوئے۔ مُلّا کی سمجھ میں نہ آیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ وہ سیدھے محلّے والوں کے پاس گئے اور انھیں چوری کا حال بتایا۔ چنانچہ سارے محلّے والے ان کے گھر پر اکٹھے ہو گئے اور اپنی اپنی کہنا شروع کی۔ ایک بولا "آپ نے دروازے پر تالا تو ڈال دیا لیکن کھڑکیاں بند کرنی کیوں بھول گئے؟"

دوسرا بولا "آپ کو پوری احتیاط رکھنی چاہیے تھی۔ آپ نے یہ کیوں سمجھ رکھا تھا کہ آپ کے گھر میں چوری نہیں ہو سکتی؟"

تیسرا بولا "آپ کے تالے بھی تو خراب ہیں۔ آپ کو آج تک انھیں تبدیل کرنے کا کیوں خیال نہ پیدا ہوا؟"

بیوی بولی "یہ سب تمھاری خطا ہے۔ تمھیں گھر سے باہر قدم نکالتے وقت یہ اطمینان کر لینا چاہیے تھا کہ سب دروازوں پر باقاعدہ تالے پڑے ہیں۔"

مُلّا جو خاموش کھڑے سب کی باتیں سُن رہے

تھے۔ مزید تاب نہ لاتے ہوئے بول پڑے:

"بھائیو میری بھی تو سنو! صرف میں ہی تو اکیلا خطا کار نہیں ہوں۔"

سب لوگوں نے جواب دیا "تو پھر ہم کس کو ذمّہ دار ٹھہرائیں؟"

مُلّا نے جواب دیا "چوروں کے بارے میں آپ لوگوں کا کیا خیال ہے۔؟"

پُرانا گُڑ

ایک دن مُلّا نصرالدّین کے پاس ایک مریض آیا اور اُن سے کہا:

"سنا ہے آپ کے پاس تیس برس پُرانا گُڑ موجود ہے۔ میں ایک بیمار آدمی ہوں۔ دوا بنانے کے لیے تھوڑا سا گُڑ مجھے درکار ہے۔ اگر آپ دے دیں تو بڑی مہربانی ہو گی۔"

مُلّا نے جواب دیا "آپ نے سُنا تو ٹھیک ہی ہے۔ واقعی میرے پاس تیس سال پُرانا گُڑ موجود ہے۔ لیکن آپ یہ تو بتائیں کہ اگر میں اس طرح تھوڑا تھوڑا گُڑ دیتا رہتا تو آج میرے پاس تیس

سال پُرانا گُڑ کہاں سے موجود ہوتا !"

مُلّا کی چالاکی

ایک دفعہ کا ذکر ہے مُلّا نصر الدّین کی بہت قیمتی پگڑی چوری ہو گئی۔ مُلّا کے پاس وہی پگڑی سب سے اچھی تھی۔ انھیں اس کے کھونے کا بڑا افسوس ہُوا۔ بہت تلاش کی لیکن سُراغ نہ مل سکا۔ بالآخر انھوں نے اِعلان کر دیا کہ جو کوئی ان کی پگڑی ڈھونڈ کر لائے گا اُسے وہ ایک دینار اِنعام میں دیں گے۔

اس اِنعام کا اِعلان سُن کر مُلّا کے ایک دوست کو بڑی ہنسی آئی۔ اس نے مُلّا سے پُوچھا:

"جس کو سو دینار قیمت کی پگڑی مِل جائے، وہ ایک دینار کے اِنعام کے لالچ میں کیوں آئے گا؟ اِنعام کی رقم میں کُچھ اضافہ کرو تاکہ لوگوں کا اِشتیاق بڑھے۔"

مُلّا نے جواب دِیا:

"جس مسئلے کی طرف آپ اِشارہ کر رہے ہیں وہ میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا۔ اسی لیے میں نے

اِنعام کے اِعلان میں یہ نہیں کہا کہ میری نہایت بیش قیمت پگڑی کھوئی ہے۔ میں نے تو یہ بتایا ہے کہ ایک پُرانی اور ردّی پگڑی کھو گئی ہے۔ اس میں اور عُمدہ پگڑی میں کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اسی لیے اِنعام بھی ہلکا ہے۔ اب کہو تُم چالاک ہو یا میں — ؟"

چاند یا سُورج

ایک دِن مُلّا نصر الدّین اچانک ہوٹل میں وارد ہُوئے اور وہاں بیٹھے ہُوئے لوگوں کو مُخاطب کرکے کہنے لگے:

"بہت دِنوں تک سوچنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہُوں کہ سُورج سے زیادہ چاند فائدہ مند ہے۔"

ایک آدمی نے اُٹھ کر پُوچھا "مُلّا! اس کی وجہ؟ آج تک تو ہم یہی سُنتے آئے تھے کہ سُورج نہ ہو تو زندگی ناممکن ہے۔ آج آپ چاند کی حمایت کر رہے ہیں؟"

مُلّا نے جواب دیا "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ لیکن

میں نے بھی یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہے۔ لیجیے آپ بھی سُنیے: رات کے وقت اِنسان کو روشنی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے بمقابلہ دِن کے۔ اس لیے چاند زیادہ فائدہ مند ہے!"

میرا آدھا

ایک مرتبہ مُلّا نصرُالدین اپنے کسی دوست کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں دونوں کو پیاس لگی، سوچا کسی ہوٹل میں جا کر پانی پی لیں۔ چنانچہ نزدیک کے ہوٹل میں داخل ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر پانی پیا۔ ہوٹل پر ایک طرف دُودھ کا کڑھاؤ بھی چڑھا ہُوا تھا۔ دُودھ دیکھ کر مُلّا کے مُنھ میں پانی بھر آیا۔ دونوں نے طے کیا کہ ایک گلاس دُودھ بھی پی لیا جائے۔

جب دُودھ کا گلاس سامنے آیا تو دونوں میں تکرار شروع ہو گئی کہ پہلے میں پیوں گا۔ دونوں آدھا گلاس دُودھ پینا چاہتے تھے۔ مُلّا کے دوست کے پاس تھوڑی سی شکر بھی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ مُلّا اپنے حصّے کا آدھا دُودھ پی لیں تاکہ باقی دُودھ

میں شکر ڈال کر وہ خُود پی لے۔ شکر اتنی ہی تھی کہ آدھا گلاس دُودھ میٹھا ہو سکتا تھا۔ مُلّا نے جو شکر دیکھی تو اپنے دوست کے پیچھے پڑ گئے۔

"وہ شکر تمام دُودھ میں ڈال دی جائے اور پھر آدھا آدھا گلاس دونوں پی لیں۔"

دوست راضی نہ ہُوا۔ مُلّا کو بڑا طیش آیا۔ وہ سیدھے ہوٹل کے مالک کے پاس پہنچے اور وہاں سے ایک تھیلی نمک خرید لائے۔ پھر انھوں نے اپنے دوست سے کہا:

"میں نمکین دُودھ پینا چاہتا ہُوں اِس لیے میں نمک ملا کر پہلے خُود پی لوں گا جیسا کہ پہلے بھی دونوں کے درمیان سمجھوتا ہو چکا ہے۔ دُوسرا آدھا تم پی لینا۔"

شدید غم

ایک دِن اچانک صُبح کے وقت مُلّا نصرُالدین کے رونے پیٹنے اور آہ و بکا کی آوازیں آنے لگیں پڑوسی کو بڑی تشویش ہُوئی۔ وہ سیدھا مُلّا کے دروازے پر پہنچا اور ان کو آواز دی۔ وہ رُومال

سے آنسوؤں کو پونچھتے اور ہچکیاں لیتے ہوئے باہر آئے ۔ پھر پڑوسی کو دیکھ کر اس سے لپٹ گئے اور خوب جی بھر کے رُوئے ۔ پڑوسی نے انھیں دلاسا دیتے ہوئے رونے کی وجہ پوچھی تو مُلّا نے جواب دیا

"ارے میرے بھائی ! تمھیں اب تک یہی خبر نہیں کہ میری بیوی کی طبیعت بہت خراب ہے ۔"

پڑوسی بولا "اچھا تو آپ کی بیوی بیمار ہے ۔ میں سمجھ رہا تھا کہ آپ کا گدھا بیمار پڑ گیا ہے ۔"

مُلّا نے پڑوسی کی بات سُن کر اور زور زور سے رونا شروع کر دیا اور بولے :

"ہاں بھائی تم ٹھیک کہتے ہو ۔ میرا گدھا ہی تو بیمار ہے لیکن مَیں اِتنا بڑا دھکّا برداشت نہیں کر سکتا تھا اِس لیے میں اِتنی بُری خبر کو آہستہ آہستہ سُننا چاہتا ہُوں ۔ اگر ایک دم گدھے کی بیماری سُن لیتا تو میرے دِل کی حرکت بند ہو جاتی اِس لیے میں نے پہلے یہ محسُوس کیا کہ میری بیوی بیمار ہے ۔ اِس کے بعد گدھے کی بیماری کا یقین کیا ۔"

مُساوات

ایک دن گاؤں میں ایک فلسفی کا گزر ہُوا ۔ کچھ لوگوں نے فلسفی کو گھیر لیا اور اپنے ساتھ چلنے کو کہا ۔ فلسفی نے لوگوں کا اِشتیاق دیکھ کر اُن کی دعوت قبول کر لی اور ان کے ساتھ چلا گیا ۔ اُسے ایک مکان کے صحن میں لے جا کر بٹھایا گیا ۔ باقی لوگ اس کے گرد گھیرا باندھ کر بیٹھ گئے اور توجہ سے اس کی باتیں سُننے لگے ۔ گفتگو کے دوران فلسفی نے کہا "جو کچھ اِنسان کو میسّر ہو اُسے آپس میں برابر برابر بانٹ کر اِستعمال کرنا چاہیے ۔"

ایک شخص نے فلسفی کے اس خیال کے بارے میں کہا :

"آپ کا کہنا بالکل صحیح ہے لیکن عملی طور پر ایسی مُساوات ناممکن ہے ۔"

فلسفی نے پُوچھا :

"میرے خیال پر اعتراض کرنے سے پہلے یہ بتائیے کہ کبھی آپ نے اس اصُول کو عملی زندگی میں اپنایا بھی ہے ـــ ؟ یا یونہی صرف بحث برائے بحث

کر رہے ہیں ؟"

مُلّا نصرُ الدّین بھی انہی لوگوں میں بیٹھے فلسفی کی باتیں بغور سُن رہے تھے۔ وہ اس بحث پر کہاں چُپ بیٹھنے والے تھے۔ جھٹ بولے :

"جی ہاں میں نے تجربہ کیا ہے۔ میرا رویّہ اپنی بیوی اور اپنے گدھے کے ساتھ بالکل ایک جیسا ہے۔ میں دونوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتا ہُوں۔"

فلسفی نے جب یہ جواب سُنا تو اسے بڑا اطمینان ہُوا۔ اس نے بلند آواز سے کہا :

"شاباش ! اب اپنے ساتھیوں کو بتاؤ کہ برابری کا سلوک کرنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے ؟"

مُلّا نے جواب دیا :

"فائدہ — فائدہ یہی ہے کہ گدھا تو شریف ہو گیا ہے لیکن بیوی نالائق ہو گئی ہے۔"

مُبارک باد

ایک دفعہ مُلّا نصرُ الدّین بھاگے ہُوئے اپنے پڑوسی کے پاس پہنچے اور چیخ کر بولے :

"مجھے مُبارک باد دو۔ دوست ! میں باپ بن

گیا ہُوں۔"

پڑوسی نے کہا "مُبارک ہو مُلّا۔ لڑکا ہُوا ہے یا لڑکی ؟"

مُلّا نے جواب دیا "وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ تمہیں کیوں کر معلوم ہُوا کہ ان دونوں میں کوئی ایک ہے ؟"

ہمدرد

ایک دفعہ مُلّا نصرُ الدّین کا گدھا کھو گیا اور کافی تلاش کے باوجود نہ مل سکا۔ مُلّا کو بڑا صدمہ ہُوا جو بھی ملتا اس سے اپنے گدھے کی خوبیاں بیان کرتے اور اپنی آنکھوں میں آنسو بھر لاتے۔ ایک دِن انھوں نے اپنے ایک دوست سے گدھے کے کھونے کا ذکر کیا۔ دوست نے جواب دیا :

"مانا کہ تم کو اپنے گدھے سے بڑی محبت تھی اور تم اس کا ہر طرح خیال رکھتے تھے لیکن اب صبر کرو۔ اتنا غم تو تم نے اس وقت بھی نہیں کیا تھا جب تمھاری بیوی کا انتقال ہُوا تھا۔"

مُلّا نے سرد آہ بھری اور بولے :

"لیکن تمھیں شاید یاد نہیں۔ جب میری بیوی کا اِنتقال ہُوا تھا تو سارا گاؤں اکٹھا ہو گیا تھا اور ہر ایک نے مجھے صبر کی تلقین کرتے ہُوئے کہا تھا کہ بیوی کا غم کیا ہے؟ کچھ دِن بعد دُوسری شادی کا اِنتظام کروا دُوں گا۔ دُوسری بیوی مِل جائے گی۔ آج گدھے کے کھونے پر میں صبح سے اِنتظار کر رہا ہُوں کہ شاید کوئی کہہ دے کہ میں دُوسرا دِلوا دُوں گا۔ لیکن ابھی تک تو کوئی ہمدرد نہیں آیا۔ پھر غم نہ کروں تو کیا کروں؟"

اِنسانی جذبہ

ایک دِن مُلاّ نصرُ الدّین اپنے محلّے میں کسی جاننے والے کے پاس گئے اور اس سے بولے:

"بھائی! میں ایک غریب اِنسان کی مدد کے لیے نِکلا ہُوں۔ وہ بے چارہ غریبی کا مارا بہُت مقروض ہو گیا ہے کوئی ایسا آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے جس سے قرض ادا کر سکے۔ آپ لوگ مدد کر دیجیے تاکہ غریب کا بھلا ہو جائے۔"

اس آدمی نے مُلاّ کے اس جذبے کی بہت تعریف

کی اور اپنی جیب سے ایک دینار نِکال کر مُلاّ کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی پُوچھا:

"مُلاّ یہ تو بتاؤ کہ وہ غریب آدمی ہے کون؟"

مُلاّ نے جواب دیا "میں ہی ہُوں!"

اِتنا کہہ کر وہ نَو دو گیارہ ہو گئے۔

چند ہفتے گزرے ہوں گے کہ مُلاّ پھر اسی کے مکان پر پہنچے اور علیک سلیک کے بعد اس کے پاس بیٹھ گئے۔ محلّے والے نے پُوچھا:

"آپ آج پھر غالباً کسی کے قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں تشریف لائے ہیں۔"

مُلاّ نے جواب دیا "جی ہاں، بات تو کچھ ایسی ہی ہے — !"

اس آدمی نے پھر کہا:

"میرے خیال میں کوئی آدمی اپنا قرض ادا نہیں کر سکتا تو آپ اس کے لیے چندا کر رہے ہیں۔"

مُلاّ نے کہا "جی ہاں، یہی بات ہے۔"

وہ آدمی بولا "میرے خیال میں وہ قرض دار آپ ہی ہیں۔"

مُلاّ نے جواب دیا "نہیں۔ یہ خیال غلط ہے۔ اِس

بار میں قرض دار نہیں ہُوں کوئی دُوسرا آدمی ہے۔"

اس جواب پر وہ آدمی بہت خوش ہُوا اور مُلّا کو ایک دینار چندہ عطا کر دیا۔ جب مُلّا دینار کو جیب میں ڈال کر مکان سے باہر نکلنے لگے تو عین اسی وقت وہ آدمی پوچھ بیٹھا:

"مُلّا ایک بات تو بتاتے جاؤ۔ آج ایسا کون سا اِنسانی جذبہ تمھیں مجبُور کر رہا ہے کہ تم چندہ اکٹھا کرتے پھر رہے ہو؟"

مُلّا نے فوراً جواب دیا "اب کے میں قرض دار نہیں، قرض خواہ ہُوں!"

بارش میں خُشکی

ایک مرتبہ مُلّا نصرُالدین کے ایک دوست نے انھیں شکار پر چلنے کی دعوت دی۔ مُلّا فوراً تیار ہو گئے۔ ان کے دوست نے مریل گھوڑا مُلّا کو دیا اور باقی دُوسرے لوگوں کو اچھے تیز رفتار گھوڑے دیے۔ سب لوگ شکار کھیلنے کے لیے جنگل کی طرف روانہ ہُوئے۔ اِن لوگوں نے شکارگاہ میں جونہی قدم رکھا، بارش شرُوع ہو گئی۔ اب تو یہ تمام

شکاری بہت پریشان ہُوئے۔ چاروں طرف نِگاہ دوڑائی کہ کوئی سایہ دار چیز مِل جائے تو اُس کے نیچے کھڑے ہو کر بارش سے بچا جائے۔ لیکن وہاں حدِ نظر تک میدان ہی میدان تھا۔ چنانچہ سب نے سرپٹ بھاگنا شروع کیا اور جلد از جلد گھر پہنچنے کی کوشش کی۔ بارش اِتنی تیز تھی کہ وہ سب چند لمحوں میں بھیگ کے شرابور ہو گئے۔ جب گھر پہنچے تو ہر شکاری کے کپڑوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

اب مُلّا کی رُوداد سُنیے۔ اُن کا گھوڑا تو تھا ہی مریل۔ بارش شروع ہُوئی تو اُس کی رفتار اور بھی سُست ہو گئی۔ مُلّا نے چاروں طرف دیکھا۔ دُوسرے ساتھی بہت آگے نِکل چکے تھے۔ وہ تنہا اپنے گھوڑے پر چلے جا رہے تھے۔ انھوں نے فوراً اپنے تمام کپڑے اُتار لیے اور اُن کو باقاعدہ تہہ کر کے گھوڑے کی پیٹھ پر رکھا اور خود اُن پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ اس طرح خود تو بھیگتے رہے لیکن کپڑے بارش سے محفوظ رہے۔ جب گھر نزدیک آیا تو بارش ختم ہو چکی تھی۔ انھوں

نے دوبارہ کپڑے پہن لیے اور سب شکاریوں کے بیچ میں داخل ہوئے۔ سب نے ان کو خشک دیکھا تو حیرت زدہ ہوئے۔ ملّا بولے:

"اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ میرے خشک رہنے کی وجہ آپ کا گھوڑا ہے۔"

دوسرے دن صبح یہ لوگ پھر شکار کے لیے روانہ ہوئے۔ اب کے اس کے دوست نے مریل گھوڑا خود رکھا اور تیز رفتار گھوڑا ملّا کو دے دیا۔ اس نے سوچا کہ غالباً اس گھوڑے کی بدولت آدمی بارش میں بھی خشک رہتا ہے۔ اتفاق کی بات اس دن پھر بارش ہو گئی اور شکاریوں کی جماعت پانی میں لت پت واپس آئی۔ اُدھر ملّا پھر خشک آ موجود ہوئے۔ انھوں نے آج پھر پہلے والی ترکیب پر عمل کیا۔ اب تو اُن کے دوست کو بڑا غصّہ آیا۔ اس نے چلّا کر کہا:

"آج میں قطعاً نہ بھیگتا۔ آج تو سراسر تمھاری غلطی ہے ملّا۔ تم نے مریل گھوڑا دے کر میرے بھیگنے کا کچھ زیادہ سامان پیدا کر دیا۔" دوست کی یہ بات سن کر ملّا بولے:

"آپ مجھ پر شبہ کر رہے ہیں لیکن یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کر رہے ہیں کہ خود کو خشک رکھنے کے لیے اپنی طرف سے بھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

سچائی کے نزدیک

ملّا نصرالدین نے ایک مرتبہ ایک جھیل میں کچھ مرغابیوں کو تیرتے دیکھا۔ بعض مرغابیاں جھیل کے کنارے پانی میں اٹھکھیلیاں کر رہی تھیں۔ ملّا کو لالچ آیا۔ انھوں نے چاہا کہ ایک مرغابی کو چپکے سے پکڑ لیں۔ لیکن جونہی انھوں نے جھپٹّا مارا تمام مرغابیاں اڑ گئیں اور یہ ہاتھ ملتے رہ گئے۔ اب انھوں نے اپنے ناشتے دان سے روٹی نکالی اور جھیل کے پانی میں ڈبو ڈبو کے کھانے لگے۔ وہاں کھڑے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے پوچھ لیا کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ملّا نے جواب دیا۔

"مرغابی کے شوربے سے روٹی کھا رہا ہوں۔"

گواہی

ایک دن ملّا نصرالدین کا پڑوسی اُن کے پاس

آیا اور اُن سے کہا کہ ذرا اپنا گدھا تھوڑی دیر کے لیے دے دیں۔ مُلّا نے جواب دیا:

"مجھے بڑا افسوس ہے کہ میں آپ کے کام نہ آ سکوں گا کیوں کہ صبح ہی ایک صاحب گدھا مانگ کر لے گئے ہیں اور ابھی تک واپس نہیں آئے ہیں۔"

جس وقت مُلّا یہ بات کہہ رہے تھے ٹھیک اسی وقت اصطبل سے گدھے کے رینکنے کی آواز آئی۔ پڑوسی تاڑ گیا کہ مُلّا نے بہانہ کیا ہے، گدھا موجود ہے۔ اس نے مُلّا سے کہا:

"میرے خیال میں گدھا اندر موجود ہے۔"

مُلّا نے نہایت وقار کے ساتھ جواب دیا "جو شخص ایک اِنسان کے مقابلے میں گدھے کی بات کا یقین کر لے وہ اس لائق نہیں ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے اور کوئی چیز دی جائے۔ آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

اِنکسار

مُلّا نصرالدین کے گاؤں کے نزدیک ایک اور

گاؤں تھا جہاں مُلّا کو بڑا بُزرگ اور پیر فقیر مانا جاتا تھا۔ مُلّا جب کبھی اس گاؤں میں جاتے ان کا بڑا احترام کیا جاتا اور سینکڑوں عقیدت مند انھیں اپنے جھرمٹ میں لے کے چلتے۔ مُلّا کے گاؤں والوں کو بھی اِس کا علم تھا۔ ایک مرتبہ اُن کے گاؤں کے کسی آدمی کو شرارت سُوجھی۔ اُس نے سوچا کہ مُلّا کی بزرگی کا راز فاش کیا جائے۔ چنانچہ وہ قریبی گاؤں گیا اور وہاں کے لوگوں کو سمجھایا کہ مُلّا سے کوئی کرامت دِکھلانے کو کہو۔ اگر مُلّا کرامت دِکھا دیں تو ان کو پیر مانو ورنہ اُن کا اعتبار نہ کرو۔ کچھ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔

چنانچہ جب مُلّا وہاں پہنچے تو لوگوں نے یہی مطالبہ کیا کہ آپ کوئی کرامت دکھائیں۔ مُلّا نے جواب دیا کہ آپ لوگ جو کہیں وہی کر کے دِکھا دوں۔ ایک آدمی بول پڑا:

"اچھا آپ سامنے والا درخت اپنے پاس بُلا کر دِکھائیں۔"

مُلّا نے جواب دیا:

"یہ بھی کوئی مُشکل کام ہے۔ آپ کوئی بہت مشکل کام سوچ کے رکھیں اور آیندہ جب میں یہاں دورہ پر آؤں تو آپ مجھ سے کہیں، میں کر کے دکھا دُوں گا۔" لوگوں کو مُلّا کی باتوں کا یقین نہ آیا وہ بضد ہو گئے کہ آج ہی آپ یہ کام کر کے دکھائیں ورنہ ہم کو آپ پر اِعتبار نہ رہے گا۔

اب تو مُلّا بہت بٹپٹائے لیکن بھاگنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ آخر کار انھوں نے ہاتھ کے اِشارے سے درخت کو اپنے پاس بُلایا۔ مگر درخت کا آنا تو کیا اس کا پتّا بھی نہ ہِلا۔ سب لوگ کبھی مُلّا کو دیکھتے اور کبھی درخت کو۔ مُلّا نے پھر درخت کو بُلایا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہُوا۔ جب وہ کِسی صُورت قریب نہ آیا تو مُلّا خُود ہی درخت کے پاس پہنچ گئے۔

مجمع میں سے کِسی نے پُوچھ لیا:

"کیوں قبلہ! آپ کے بُلانے پر تو درخت نہ آیا آپ خود اس کے پاس کیوں پہنچ گئے۔؟"

مُلّا نے جواب دیا "ہم فقیر لوگ ہیں۔ ہم میں غرُور نام کو نہیں ہوتا۔ جب درخت نہ آیا تو ہم

خود اُس کے پاس چلے گئے۔"

دونوں چور ہیں!

مُلّا نصرالدّین کے گاؤں کے باہر ہر جُمعے کو بازار لگتا تھا جہاں قُرب و جوار کے لوگ بھی مال کی خرید و فروخت کے لیے آتے تھے۔ مُلّا بھی اِس میں شریک ہوتے اور ہر جُمعے کو صُبح کے وقت اپنے ہمراہ ایک عُمدہ قِسم کا گدھا لے جاتے اور بہت سستے داموں بیچ دیتے۔ دُوسرے گدھے والوں کو بڑا تعجّب ہوتا کہ یہ شخص اِتنے مضبُوط اور اچھے گدھے کیوں کر کم قیمت پر بیچتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک بیوپاری نے مُلّا سے پُوچھ ہی لیا:

"مُلّا جی! ہم لوگ آج تک یہ نہ سمجھ سکے کہ اِتنے اچھے گدھے تم اِتنی کم قیمت پر کیسے بیچ دیتے ہو۔ ہم لوگوں نے بھی اپنے گدھوں کی قیمتوں کو کافی کم کر دیا ہے۔ نوکر کِسانوں سے مفت چارہ لے آتے ہیں، دُوسرے آدمی ان کی نگہداشت کرتے ہیں اور ان کی غذا کا بندوبست کرتے ہیں جس کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے۔ اِس کے باوجود

ہمارے گدھوں کی قیمتیں تمھارے گدھوں سے زیادہ رہتی ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ چوری کرتے ہو؟"

مُلّا نے جواب دیا "اس میں سوچنے کی کیا بات ہے بالکل سیدھی سی بات ہے۔ آپ چوری کرتے ہیں چارے کی اور دوسروں کی محنت کی۔ میں براہِ راست گدھے چُراتا ہوں۔ کام دونوں کا ایک ہے۔"

قانونی نکتے

ایک دن مُلّا نصرالدین کا پڑوسی ان کے پاس آیا اور اُن سے ایک قانونی نکتہ معلوم کرنے کی اجازت چاہی۔ مُلّا نے کہا "اِس میں اِجازت کی کیا بات ہے۔ بے دھڑک پوچھو۔"

پڑوسی بولا:

"بھائی! مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے بیل نے میری گائے کو سینگ مار کر زخمی کر دیا ہے کیا ایسی صورت میں میں کسی معاوضے کا حقدار ہوں؟ اِس سلسلے میں قانون کیا کہتا ہے؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"قانون بالکل صاف اور سیدھا ہے۔ جو شخص غلطی کرے گا اسی کو سزا دی جائے گی۔ یہ بھلا کیوں کر ممکن ہے کہ غلطی کرے بیل جُرمانہ اِنسان بھگتے۔ آپ کسی معاوضے کے حقدار نہیں ہیں۔"

مُلّا نے جونہی اپنا جواب مکمل کیا پڑوسی بولا:

"ذرا ٹھہریئے! میں نے سوال اُلٹا کہہ دیا۔ بات وہ نہیں ہے جو میں نے ابھی کہی ہے بلکہ یوں ہے کہ میرے بیل نے آپ کی گائے کو زخمی کر دیا ہے۔"

مُلّا نے ایک سردِ آہ بھری اور بولے:

"اب تو مسئلہ کچھ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ میں اس کا جواب فی الفور نہیں دے سکتا۔ اس سلسلے میں مجھے پچھلے مقدمات کے فیصلوں کی کتاب دیکھنی پڑے گی۔ ممکن ہے اس سوال کے پیچھے کچھ دوسری باتیں بھی ہوں جن سے مقدمے کی نوعیت تبدیل ہو جائے اِس لیے مجھے کچھ وقت دیجیے اور آپ پھر کبھی تشریف لائیں۔"

سوال میں جواب

مُلّا نصرالدین سے اُن کے کسی دوست نے سوال

کہا :

"تمھاری کیسی عادت ہے کہ ہر بات کا جواب سوال کی شکل میں دیتے ہو ۔۔۔؟"

ملّا نے جواب دیا "کیا میں واقعی ایسا کرتا ہوں؟"

قناعت

ملّا نصرالدین کے گاؤں میں ایک شخص حمزہ نامی رہا کرتا تھا ۔ یوں تو وہ کچھ زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا لیکن باتیں ہمیشہ فلسفیوں جیسی کرتا تھا ۔ گاؤں والے اس سے بہت مرعوب تھے ۔ اس کی ہر بات بے چون وچرا مان لی جاتی تھی ۔ ایک دن حمزہ چائے خانے میں بیٹھا اپنا فلسفہ بگھار رہا تھا ۔ اس نے دوسروں کو مخاطب کر کے کہا :

"انسان کی فطرت میں قناعت بالکل نہیں ہے ۔ اس کو جو کچھ مل جاتا ہے وہ اس سے مطمئن نہیں ہوتا بلکہ دوسری چیز کی خواہش کرنے لگتا ہے ، مثال کے طور پر اگر سردی کا موسم ہے تو انسان گرمیوں کو اچھا کہنے لگتا ہے اور سردی سے عاجز آ جاتا ہے اس کے برخلاف اگر گرمیوں کے دن ہیں تو اُن سے پریشان رہتا ہے اور سردیوں کی تعریف میں قلابے ملانے لگتا ہے ۔"

اتفاق سے اس وقت چائے خانے میں ملّا بھی موجود تھے ۔ انھوں نے فلسفی کی بات سُنی تو فوراً کھڑے ہو گئے اور اس کو مخاطب کر کے بولے :

"معاف کیجیے گا۔ آپ نے کبھی موسم بہار کی بھی برائی کسی کی زبان سے سنی؟" یہ کہہ کر وہ خاموشی سے چائے خانے سے نکل گئے ۔ باقی لوگ فلسفی کے جواب کا انتظار کرنے لگے ۔

مزاج پُرسی

ایک دفعہ ملّا نصرالدین بیمار ہو گئے ۔ اُن کے ایک دوست عیادت کے لیے آئے ۔ پاس بیٹھ کر مزاج پرسی کی۔ اس کے بعد دنیا بھر کی باتیں شروع کر دیں ۔ ملّا شروع میں اُن کی باتوں کا جواب دیتے رہے لیکن جب باتوں کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا تو وہ بہت پریشان ہو گئے ۔ کئی مرتبہ اشاروں کنایوں میں انھیں خاموش رہنے کی کوشش کی لیکن انھوں نے نہ سمجھنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد مُلّا نے کروٹ لی اور دُوسری طرف مُنہ پھیر کر لیٹ گئے۔

دوست صاحب اب بھی اپنا زورِ خطابت صرف کرتے رہے۔ جب مُلّا کی ہر ترکیب ناکام ہو گئی تو انھوں نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ ان کے باتونی دوست نے پُوچھا:

"مُلّا خیر تو ہے؟ ابھی تو تمھاری طبیعت ٹھیک تھی۔ ایک دم رونے کیوں لگے؟ تمھیں کس بات کی تکلیف پیدا ہو گئی ہے؟"

مُلّا نے تکلّف برطرف کرتے ہُوئے کہا:

"آپ کی ہمدردی سے میری تکلیف میں اضافہ ہو گیا۔"

یہ کہہ کر انھوں نے اور زور سے رونا شروع کر دیا۔ اب ان کے دوست کو بھاگتے ہی بنی۔

میرا خیال ہے.....؟

جب مُلّا نصرُالدین پہلے پہل قاضی بنائے گئے تو انھیں بڑی جھجک محسوس ہُوئی۔ وہ سوچنے لگے کہ میں کیوں کر اتنی بڑی کرسی پر بیٹھوں گا اور

صحیح فیصلے دے سکوں گا۔ بہر حال کام تو کرنا ہی تھا جب وہ پہلے دن عدالت میں پہنچے تو ایک مقدمہ ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ ان کے پیش کار نے ایک مُدّعی کو حاضرِ عدالت کیا۔

مُدّعی نے اپنی تمام رُوداد مُلّا کے سامنے پیش کی۔ اس نے اپنے حق میں اتنے اچھے دلائل دیے اور اس خوب صُورتی سے مقدمہ پیش کیا کہ مُلّا اس پر سو فیصدی ایمان لے آئے۔ جب مُدّعی اپنا بیان ختم کر چکا تو مُلّا بولے:

"میرا خیال ہے تم حق پر ہو۔"

مُلّا کے اس جملے پر پیش کار نے انھیں ٹوکا اور کہا:

"حضور! جب تک مُدّعا علیہ کا بیان نہ سُن لیا جائے حق اور ناحق کا فیصلہ کیوں کر ممکن ہے۔ میں ابھی مدّعا علیہ کو عدالت کے سامنے بُلواتا ہُوں اس کا بھی بیان سُن لیا جائے۔"

چنانچہ پیش کار نے مُدّعا علیہ کو عدالت میں پیش کیا۔ اُس نے بھی اپنا جواب تمام گواہوں اور شہادتوں کے ساتھ دیا۔ مُلّا اس کے بیان میں بھی بالکل

کھو گئے اور جونہی اس نے بیان ختم کیا بول پڑے
"میرے خیال میں تم حق پر ہو۔"

اب پھر پیش کار کو مداخلت کرنی پڑی۔ اس نے ملّا کو مخاطب کر کے کہا:

"جنابِ عالی! دونوں تو بیک وقت حق پر نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے ایک ہی سچّا ہو گا۔"

ملّا نے جواب دیا:

"میرے خیال میں تم ٹھیک کہتے ہو پیش کار!"

بیٹے کی شادی

ایک رات کھانے پینے سے فارغ ہونے کے بعد جب ملّا نصرالدین اپنے بستر پہ لیٹے تو بیوی نے راز داری کے انداز میں ان سے کہا "تمھیں کچھ فکر بھی ہے۔ بیٹا ماشاء اللہ جوان ہو چکا ہے۔ اب اس کی شادی کا بندوبست ہونا چاہیے۔ اگر جلدی نہ کی تو اندیشہ ہے کہ وہ ہاتھ سے بے ہاتھ نہ ہو جائے۔"

ملّا نے جواب دیا:

"تمھیں تو ہر وقت یہی پڑی رہتی ہے کہ کام کاج

پھیلے اور مہمان اکٹھے ہوں۔ کچھ یہ بھی فکر ہے کہ پیسہ کہاں سے آئے گا۔ تمھیں پتا ہے کہ گھر کا خرچ کس طرح چل رہا ہے؟ شادی کے اخراجات کیسے پورے ہوں گے۔ شادی کرنا کوئی آسان کام ہے؟"

بیوی نے کہا:

"کم از کم کہیں بات چیت کا سلسلہ تو شروع کرو۔ پیسے کا انتظام خود بخود ہو جائے گا۔ اگر کوئی صورت آمدنی کی نہ نکلی تو اپنا گدھا بیچ دینا۔ آرام سے شادی ہو جائے گی۔"

اس بات چیت کے بعد کوئی دوسری بات نکل آئی اور شادی کی بات ادھوری رہ گئی۔ ملّا کا بیٹا لحاف میں منہ چھپائے اپنی شادی کی باتیں سن رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں ہو رہی ہے تو اس نے لحاف سے منہ نکال کے کہا:

"ابّا! امّی کی بات مان بھی لو۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں کہ گدھے کو فروخت کر ڈالو۔ اس میں حرج ہی کیا ہے۔"

تُو ہی تُو

ایک زمانے میں مُلّا نصرُالدّین پر پیری فقیری کا بھُوت سوار تھا۔ دن رات ذکر فکر جاری رہتا۔ اِسی زمانے میں ایک دن وہ چوراہے پر کھڑے ہو کر ایک نظم باآوازِ بلند پڑھنے لگے۔ اس نظم میں عارفانہ باتیں تھیں۔ جن کا مفہوم کچھ اس طرح تھا:

"اے میرے محبُوب! میں تیرے خیال میں اس قدر کھو گیا ہُوں کہ تُو میرے جسم و جان میں سما چُکا ہے۔ مجھے حدِ نظر تک جو کچھ بھی دکھائی دیتا ہے اس میں تُو ہی تُو نظر آتا ہے!"

جب مُلّا یہ نظم پڑھ رہے تھے تو قریب ہی کوئی مسخرہ کھڑا تھا۔ اُس نے چلّا کر کہا:

"اے پیر جی! اگر تمھاری نظروں کے سامنے کوئی احمق آ جائے تو کس کا جلوہ نظر آئے گا؟"

مُلّا نے بغیر رُکے ایک ہی سانس میں جواب دیا:

"بے شک اُس وقت بھی تُو ہی تُو نظر آئے گا۔"

سیڑھی

مُلّا نصرُالدّین کے مکان کے پیچھے ایک بہت بڑا باغ تھا۔ ایک دِن انھوں نے سوچا کہ باغ سے کچھ پھل چُرائے جائیں۔ ان کے لیے یہ کام ایسا کچھ مشکل بھی نہ تھا کیوں کہ دیوار ملی ہُوئی تھی۔ وہ اُٹھے اور اپنی سیڑھی کو اُٹھا کر دیوار پر چڑھایا۔ پھر باغ کی طرف دیوار کے سہارے کھڑا کر دیا۔ جب سیڑھی مضبُوطی سے ٹِک گئی تو اِطمینان سے باغ میں اُتر گئے۔ باغ کا مالک دیکھ رہا تھا۔ وہ دوڑا ہُوا مُلّا کے پاس آیا اور بولا:

"اجی حضرت! یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"گھبرائیے نہیں! میں کوئی پھل چرانے نہیں آیا ہُوں۔ میں اپنی سیڑھی بیچنا چاہتا ہُوں۔ بتائیے آپ اِس کی کیا قیمت دیں گے؟"

باغ کا مالک بہُت ناراض ہُوا اور غُصّے سے بولا:

"جاؤ جی اپنا کام کرو۔ بے وقوف بنانا کسی اور کو۔ باغ میں بھی کوئی سیڑھی بیچنے کی جگہ ہے؟"

ملا نے جواب دیا:

"بے وقوف جناب ہیں یا میں؟ آپ کو اتنی سی بات بھی نہیں معلوم کہ سیڑھی ہر جگہ بیچی جا سکتی ہے۔"

اللہ کا کرم

ملا نصرالدین کی عادت تھی کہ ہر بات کو وہ بہت زیادہ سوچتے تھے۔ چاہے وہ بات ان کے کسی کام کی ہو یا نہ ہو۔ ایک دن وہ اپنی بیوی کو مخاطب کر کے بولے:

"میں جس قدر سوچتا ہوں اتنا ہی قدرت کے کارخانے میں نئی نئی چیزیں دیکھتا چلا جاتا ہوں اور ان کی ترتیب اور باقاعدگی کا معترف ہوتا جاتا ہوں۔ اللہ نے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ایسی رکھی ہے جس سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچ جائے۔"

بیوی ان کی اس گفتگو کو بالکل نہ سمجھ سکی۔ اس

بیوی نے ملا سے کہا:

"کوئی مثال دے کے اپنی بات سمجھاؤ۔"

ملا نے کہا "اب اونٹ ہی کی مثال لے لو۔ یہ اللہ نے کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اس کو پر عطا نہیں کیے۔"

بیوی نے پوچھا "ورنہ کیا ہوتا؟"

ملا نے جواب دیا "تمھاری سمجھ میں اتنی سی بات بھی نہیں آتی۔ ارے خدا کی بندی! اگر اس کے پر ہوتے تو وہ مکانوں کی چھتوں پر بیٹھتا پھرتا، اس طرح نہ صرف چھتیں برباد ہوتیں بلکہ چھپروں کو توڑ دیتا، گھاس پھوس کے چھپر کھا جاتا اور اس کے علاوہ غل غپاڑہ اور گندگی بھی کتنی بڑھ جاتی۔"

بیوی ملا کی ذہانت کی قائل ہو گئی۔

نیم استاد

ایک مرتبہ ملا نصرالدین کو پتا چلا کہ کوئی آدمی کرد زبان سیکھنا چاہتا ہے۔ ان کو یہ زبان کچھ واجبی سی آتی تھی لیکن فیس اچھی ملنے کی امید تھی

اس لیے دوڑے ہوئے اس کے پاس پہنچ گئے اور کُرد زبان سکھانے کی پیش کش کی۔ وہ آدمی راضی ہو گیا۔ مُلّا نے پہلا سبق شروع کیا:

"دیکھو گرم شوربے کو کُرد زبان میں "آش" کہتے ہیں۔"

شاگرد نے پُوچھا:

"اور ٹھنڈے شوربے کو کیا کہیں گے؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"ٹھنڈا شوربہ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ کُرد لوگ گرم شوربہ ہی پسند کرتے ہیں ٹھنڈے کو ہاتھ نہیں لگاتے۔"

خُدا کی دین

مُلّا نصرالدین کی بے روزگاری سے ان کی بیوی تنگ آ چکی تھی۔ وہ اکثر مُلّا کو کوئی کام نہ کرنے پر ملامت کرتی۔ مُلّا کچھ نہ کہتے۔ ایک دن اُن کی بیوی نے کچھ زیادہ ہی بک بک شروع کر دی جب مُلّا بہت تنگ ہو گئے تو غُصّے کے عالم میں بیوی سے بولے:

"تم نے تو بلا وجہ مُجھے پریشان کر رکھا ہے۔ میں نوکری کر بھی کیسے سکتا ہوں۔ تُم جانتی ہو میں قادرِ مُطلق کا خدمت گار ہوں جو سب کو رزق دینے والا ہے۔ اب تُم ہی بتاؤ ایک وقت میں دو نوکریاں کیوں کر ہو سکتی ہیں؟"

بیوی کچھ دیر تک سوچنے کے بعد بولی:

"چلو مانا تم نے اللہ میاں کی نوکری کر رکھی ہے لیکن ہر مالک اپنے نوکر کو تنخواہ دیتا ہے۔ آخر تمھیں تنخواہ کیوں نہیں ملتی؟"

مُلّا کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ وہ بیوی سے مُخاطب ہو کر بولے:

"میرا خیال ہے میں نے کبھی اللہ سے تنخواہ مانگی ہی نہیں۔ اگر میں مانگتا تو وہ یقیناً دیتا۔ جب دُنیا کے کنجوس مالک تنخواہ دے دیتے ہیں تو اللہ میاں تو سب مالکوں کا مالک ہے، وہ کیوں نہ دے گا؟"

بیوی نے کہا:

"اب تُم ہی سمجھو۔ جاؤ اپنی تنخواہ مانگ کر دیکھو۔"

مُلّا، بیوی کے پاس سے اُٹھے اور سیدھے باغ میں پہنچے۔ وہاں جا کر پہلے تو نماز پڑھی اس کے بعد کھڑے ہو کر ہاتھ بلند کر کے خُوب زور زور سے دُعا مانگنے لگے:

"میرے پروردگار! میں نے اپنی ساری زندگی تیری عبادت اور تیرے بندوں کی خدمت میں گزاری۔ اس کا معاوضہ کم سے کم سو دینار بنتا ہے۔ اگر تو مجھے یہ رقم عنایت کر دے تو میں تا زندگی تیرا شکر گزار رہوں گا۔ میرے اللہ میری دُعا سُن لے۔"

باغ سے متصل ایک مکان تھا جس میں کوئی امیر آدمی رہتا تھا۔ اُس نے مُلّا کی یہ دُعا سُن لی اس کو مذاق سُوجھا۔ اس نے سو دینار ایک تھیلی میں ڈال کر تھیلی کو کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ وہ مُلّا کے قدموں میں آ کر گری۔ مُلّا نے جو تھیلی دیکھی تو ان کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ وہ بڑے رُعب کے ساتھ کھڑے ہوئے اور تھیلی بغل میں دبا کر سیدھے بیوی کے پاس پہنچے اور اس سے بولے:

"دیکھو! میں نہ کہتا تھا کہ میں بھی بڑا پہنچا ہُوا

فقیر ہُوں۔ جیسے ہی میں نے خُدا سے اپنی پچھلی خدمات کا معاوضہ طلب کیا اس نے اسی وقت میرے قدموں میں یہ رقم ڈال دی۔ اب تو تم مانتی ہو مُجھ کو!"

بیوی واقعی بہت متاثر ہُوئی۔

اس رقم کا ملنا تھا کہ مُلّا کے دن پھر گئے۔ خُوب دل کھول کر پیسہ خرچ کرنے لگے۔ گھر گرہستی کی ایک ایک چیز خریدی جانے لگی۔ مُلّا اور اُن کی بیوی نے اپنے لیے خوب کپڑے خریدے اور سِلنے کے لیے درزی کو دے دیے۔ ہر قسم کا فرنیچر بھی خریدا۔ محلّے بھر میں بات اڑ گئی کہ مُلّا کے کہیں سے بڑا پیسہ ہاتھ لگ گیا ہے۔

جب اس امیر آدمی کو پتا لگا کہ مُلّا اس کی دی ہُوئی رقم کو بے تحاشا خرچ کر رہا ہے تو اس کو بڑی تشویش ہُوئی۔ اس نے سوچا کہ اگر مُلّا نے ساری رقم خرچ کر ڈالی تو اُس سے واپس ملنا ناممکن ہے اس لیے اس کے پاس جا کر سارا مذاق اس کو بتا دیا جائے اور اپنی رقم واپس لی جائے۔ یہ سوچ کر وہ بھاگا ہُوا مُلّا

کے پاس آیا اور سارا ماجرا اس سے کہہ سُنایا۔ مُلّا نے جواب دیا:

"جائیے اپنا کام کیجیے۔ بے وقُوف کسی اور کو بنائیے گا۔ مجھے تو میرے خُدا نے رقم دی ہے۔ آپ نے غالباً میری دُعا سُن لی تھی۔ اِسی کو سُن کر آپ نے یہ افسانہ تراشا ہے۔ رقم آپ کو ہرگز نہ دُوں گا۔"

امیر آدمی نے کہا:

"میں بھی اِتنی بڑی رقم آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ میں تمھیں عدالت میں لے جاؤں گا۔ دیکھیں وہاں سے کیسے بچتے ہو؟"

یہ کہہ کر امیر آدمی وہاں سے جانے لگا تو مُلّا نے اسے روک کر کہا:

"میں عدالت میں جانے کو تیار ہُوں۔ اگر عدالت یہ کہتی ہے کہ یہ رقم تمھاری تھی تو میں پائی پائی ادا کرنے کی ہمت رکھتا ہُوں لیکن میری ایک شرط ہے۔ میرے پاس نہ تو مناسب کپڑے ہیں اور نہ کوئی سواری۔ اگر میں موجُودہ حالت میں عدالت میں گیا تو وہ یقیناً تمھاری شخصیت اور مال و دولت

سے متاثّر ہو کر تمھارے حق میں فیصلہ کر دے گی۔ اِس لیے مجھے عدالت سے اس وقت تک اِنصاف کی اُمّید نہیں ہے جب تک میرا حلیہ بھی تمھارے جیسا نہ ہو جائے۔"

امیر آدمی نے مُلّا کو عدالت تک لے جانے کی غرض سے اپنا جُبّہ اور گھوڑا انھیں دے دیا اور خُود پیدل سادے کپڑوں میں چلنے لگا۔ اب مُلّا کی شان ہی کچھ اور تھی۔ دونوں اسی طرح عدالت میں پہنچے۔

وہاں پہنچ کر امیر آدمی نے پُورا واقعہ بیان کیا اور قاضی سے اِلتجا کی کہ اس کی رقم دِلوائی جائے۔

قاضی نے مُلّا سے پُوچھا:

"تمھیں اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"حضُور! اس شخص کا دماغ خراب ہے۔ اس کی کوئی بات یقین کے قابل نہیں ہے۔"

قاضی نے پُوچھا:

"اس دعوے کا کوئی ثبوت تمھارے پاس ہے؟"

مُلّا نے بڑے اِطمینان سے جواب دیا:

"اِس کا ثبوت یہ شخص خود اپنی زبان سے دے گا۔ یہ جو چیز بھی دیکھتا ہے فوراً اپنی کہہ دیتا ہے۔ اگر آپ اس سے میرے گھوڑے کے بارے میں پوچھیں تو یہ کہے گا میرا ہے۔ اسی طرح میرے کپڑوں کے بارے میں سوال کریں تب بھی یہی کہے گا یہ میرے ہیں۔ ایسے آدمی کی بات کا کیا اعتبار! جب ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کو یہ اپنا کہہ بیٹھتا ہے تو سو دینار تو ایک بڑی رقم ہے۔"

امیر آدمی نے مُلّا کی یہ تقریر سُنی تو فوراً چیخ پڑا:

"لیکن حضور یہ چیزیں تو واقعی میری ہیں!"

قاضی نے اسی وقت مقدمہ خارج کر کے مُلّا کو باعزت طور پر بری کر دیا۔

رسّی ڈھیلی کرو

مُلّا نصرالدین اکثر اپنے گاؤں کے ایک اچھے ہوٹل میں بیٹھا کرتے تھے، جہاں کچھ دوسرے بے فکرے نوجوان بھی آ بیٹھتے تھے۔ وہاں تقریباً

ہر موضوع پر تبادلۂ خیال ہوتا۔ ہر شخص اپنی اپنی سمجھ اور معلومات کے مطابق گفتگو میں حصّہ لیتا۔

ایک دن مُلّا ہوٹل کے برآمدے میں بیٹھے لوگوں کے ساتھ خوش گپّیاں کر رہے تھے۔ اچانک سامنے سے ایک لڑکا آتا ہُوا دکھائی دیا۔ مُلّا نے کوئی توجّہ نہ دی۔ جب وہ لڑکا ان کے قریب پہنچا تو اُس نے ان کی ٹوپی گرا دی۔ مُلّا کو ناگوار تو بہت ہُوا لیکن زبان سے کچھ نہ بولے اور باتوں میں لگے رہے۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ دُوسرے دن پھر وہ لڑکا ان کے پاس سے گزرا اور ان کی ٹوپی گراتا چلا گیا۔ مُلّا نے اسے گھور کر دیکھا اور ٹوپی اُٹھا کر پہن لی پھر باتوں میں لگ گئے۔

یہ سلسلہ کئی دن تک چلتا رہا۔ وہ لڑکا روزانہ مقررہ وقت پر آتا اور مُلّا کی ٹوپی کو جھٹکا دے کر گرا دیتا اور غائب ہو جاتا۔ مُلّا کے دوستوں نے ان سے پوچھا کہ آپ اس لڑکے کو پکڑتے کیوں نہیں ہیں۔ کسی نے کہا:

"آپ تو بہت بزدل ہیں۔ اِتنے سے لڑکے

کو سزا نہیں دے سکتے۔ پکڑ کے دو ہاتھ لگائیے دماغ ٹھکانے آ جائے گا۔"

مُلّا نے جواب دیا:

"میرے سوچنے کا انداز آپ لوگوں سے الگ ہے۔ میں یہ جانتا ہُوں کہ غلطی کی اصلاح ڈانٹ ڈپٹ سے ہو سکتی ہے لیکن اگر کِسی میں بُری عادتیں جم جائیں تو اس کی اِصلاح کا دُوسرا طریقہ بھی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

اِتفاق کی بات ایک دِن مُلّا کو ہوٹل پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ اِس دوران ان کی کُرسی پر کوئی سپاہی آ کر بیٹھ گیا۔ وہ سپاہی صُورت سے ڈراؤنا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے سر پر ترچھی ٹوپی لگی ہُوئی تھی۔ آج پھر وہ لڑکا اپنے وقت پر نمودار ہُوا۔ ٹوپی گرانے کی عادت اس میں اتنی پکّی ہو چکی تھی کہ وہ سپاہی کی ٹوپی بھی گرانے سے نہ چُوکا۔ سپاہی لڑکے کی یہ حرکت دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے فوراً تلوار نکال کر لڑکے کا سر قلم کر دیا اور پھر اپنی جگہ جا کر بیٹھ گیا۔

مُلّا یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ جیسے ہی سپاہی نے لڑکے کا سر تن سے جُدا کیا انھوں نے اپنے دوستوں سے کہا:

"دیکھا! میں نے تُم لوگوں سے جو بات کہی تھی اس کا مطلب شاید تمھاری سمجھ میں آ گیا ہو۔"

کُتّے کا بچّہ

ایک مرتبہ مُلّا نصرُالدین کے صاحب زادے جو تیزی میں اپنے باپ سے بھی دو قدم آگے تھے کِسی شریف آدمی سے اُلجھ پڑے اور اس کو وہ بے نُقط سُنائیں کہ شریف آدمی کانپ اُٹھا۔ وہ بے چارہ مُنھ سے کُچھ نہ کہہ سکا اور سر جُھکائے اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔

اس واقعہ کی اِطّلاع کِسی نہ کِسی ذریعہ سے مُلّا کو بھی ہو گئی۔ وہ بڑے شرمندہ ہُوئے اور معذرت کے لیے اس آدمی کے گھر پہنچے۔ وہاں پہنچ کر بولے:

"بھائی مُجھے یہ سُن کر بڑی تکلیف ہُوئی کہ میرے لڑکے نے آپ کو بُرا بھلا کہا۔ وہ

کُتے کا بچہ نہایت گستاخ ہے۔ تاہم اُسے معاف کر دیجیے کیوں کہ آپ بہر حال اس کے باپ کے برابر ہیں۔ اُسے اپنی اولاد سمجھیے۔"

خواب

ایک زمانے میں مُلّا نصرالدّین کو صوفی بننے کا بڑا شوق تھا۔ اِسی شوق میں انھوں نے صُوفیوں جیسا لباس بھی پہننا شروع کر دیا تھا۔ ایک دِن وہ اپنے گھر سے یہ کہہ کر نکل گئے کہ یہاں دُنیا داری بہت ہے۔ میں تو جنگل میں رہوں گا جہاں اللہ کی یاد آسان ہے۔ راستے میں انھیں ایک پادری اور ایک سادھو مل گئے۔ انھوں نے بھی مُلّا کے ساتھ چلنے پر آمادگی ظاہر کی۔ مُلّا بخوشی تیار ہو گئے۔ چنانچہ تینوں نے ایک ساتھ سفر شروع کر دیا۔

تینوں چلتے چلتے ایک گاؤں میں پہنچے۔ یہاں پہنچ کر پادری اور سادھو نے مُلّا سے کہا:

"آپ ذرا آبادی میں جائیں اور وہاں سے کچھ خیرات زکوٰۃ اکٹھا کر لائیں۔ اس وقت تک

ہم لوگ اپنی اپنی عبادت کر لیں۔"

مُلّا راضی ہو گئے اور گاؤں میں نکل گئے۔ وہاں سے واپسی پر ان کے پاس نقد رقم کے علاوہ کچھ حلوا بھی تھا۔ مُلّا کو پیسوں سے زیادہ حلوے کی خُوشی تھی۔

جب اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچے تو اُن سے کہا:

"آؤ ابھی مل بانٹ کر یہ حلوا کھا لیں۔"

دونوں ساتھیوں نے جواب دیا:

"ابھی تو ہم لوگوں کو بھوک نہیں ہے۔ رات گئے کھا لیں گے۔"

یہ کہہ کر دونوں اپنے دھیان گیان میں بیٹھ گئے۔ مُلّا کا بھوک کے مارے بُرا حال تھا۔ لیکن اُن کے ساتھی کسی صُورت تیار نہ ہو رہے تھے۔ جب حلوا کھانے کی کوئی ترکیب سمجھ میں نہ آئی تو مُلّا بولے:

"اچھا بھائی! تُم لوگوں کی جب مرضی ہو تب کھا لینا، میں ایک تہائی حلوا ابھی کھائے لیتا ہوں۔ کیوں کہ مُجھ سے بھوک برداشت نہیں ہو

رہی ہے اور پھر میرا حلوے پر حق بھی زیادہ ہے، کیوں کہ لانے والا تو میں ہی ہوں۔"

مُلّا کی اِس بات پر دونوں میں سے کوئی بھی راضی نہ ہُوا۔ پادری بولا:

"تم جانتے ہو میں ایک بہت بڑے طبقے کا رُوحانی پیشوا ہُوں۔ میری بڑی عزت ہے اِس لیے مجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ پہلے میں کھاؤں اور سب سے زیادہ کھاؤں۔"

سادھو نے کہا "نہیں صاحب! سب سے زیادہ حق میرا ہے کیوں کہ میں دو دن فاقہ کرتا ہُوں، تیسرے دِن کھانا کھاتا ہُوں۔ آج میرا تیسرا دن ہے اس لیے مجھ کو ترجیح دی جائے۔"

بہر حال تینوں میں تصفیہ نہ ہو سکا۔

کافی دیر تک بحث ہونے کے بعد اِس بات پر اتّفاق رائے ہُوا کہ تینوں پڑ کر سو جائیں۔ صبح اُٹھ کر جو سب سے اچھا خواب سُنائے وہ سب سے پہلے حلوا کھائے اور جس قدر جی چاہے کھائے۔ چنانچہ تینوں سو گئے۔ دُوسرے دن صبح کے وقت تینوں نے اپنے اپنے خواب بیان

کیے۔ سب سے پہلے پادری بولا:

"میں نے خواب میں حضرت عیسیٰ کو دیکھا۔ انھوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، دُعائیں دیں اور بشارت دی کہ تم خُدا کے خاص اور پیارے بندے ہو!"

سادھو نے کہا "بھائی میں نے بڑا عجیب خواب دیکھا ہے۔ مجھے خواب میں ایسا معلوم ہُوا جیسے بھگوان نے مجھے نروان عطا کر دیا۔ اس عالم میں مَیں اپنے آپ میں کھو گیا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں کچھ بھی نہیں ہُوں۔ بس ہر طرف بھگوان کی لیلا ہے۔"

اب دونوں مُلّا نصرالدین کی طرف متوجہ ہُوئے مُلّا اطمینان سے بولے:

"بھائیو! میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام میرے پاس آئے ہیں۔ آپ لوگوں کو یہ بتا دُوں کہ حضرت خضر علیہ السلام خدا کے پاکیزہ ترین بندوں کے پاس ہی آتے ہیں۔ یوں ہر کس و ناکس کے قریب نہیں جاتے۔ انھوں نے آ کر کہا، نصرالدین اُٹھ! میں اُٹھ گیا۔

پھر وہ مجھے حلوے کے پاس لے گئے اور حکم دیا کر کھاؤ — ابھی کھاؤ سارا حلوا ! مجھے بتائیے کہ ایسی حالت میں آپ کیا کرتے ؟ میں نے خاموشی کے ساتھ سارا حلوا کھا لیا ۔"

مجھے یاد ہے

ایک زمانے میں ملّا نصرالدین کے گاؤں میں ایک کھیل کا بڑا زور تھا ۔ اِس کھیل کا قاعدہ یہ تھا کہ دو آدمی آپس میں شرط لگاتے کہ ان میں سے کوئی بھی جب دوسرے کو کوئی چیز دے گا تو حاصل کرنے والا جواب میں کہے گا "مجھے یاد ہے" اگر چیز لینے والا یہ فقرہ کہنا بھول جاتا تو اس پر جرمانہ عائد کیا جاتا ۔ جرمانے کی رقم چیز دینے والے کو مل جاتی ۔ بظاہر تو یہ جملہ کہنا اتنا مشکل نہیں معلوم ہوتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر موقع پر کوئی بات یاد رکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے ۔ اس شرط میں لوگوں کو کافی جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا لیکن لوگ شرط لگاتے ضرور تھے ۔

ملّا نے جب یہ شرط لگانے کا قاعدہ دیکھا تو گھر آ کر بیوی کو سمجھایا پھر اسی سے شرط بدلی ۔ تھے دونوں ہی بھلکّڑ ۔ کبھی ملّا یہ فقرہ کہنا بھول جاتے تو کبھی اُن کی بیوی ۔ غرض دونوں جرمانے ادا کرتے ۔ نقصان ہر حال میں ملّا ہی کا ہوتا ۔ کیوں کہ بیوی کا جرمانہ ادا کرنے کی ذمّہ داری بھی انہی کی ہوتی ۔

ملّا نے سوچا کہ بیوی کو کسی نہ کسی صورت شکست دے کر یہ شرط توڑ لی جائے ۔ چنانچہ یہ سوچ کر انھوں نے حج پر جانے کا منصوبہ بنایا ۔ اُن کا خیال تھا کہ حج سے واپسی میں کئی مہینے لگ جائیں گے ۔ اس دوران بیوی مجھے یاد کرے گی ۔ جب میں کئی مہینے بعد واپس آؤں گا اور اپنے ساتھ بیوی کے لیے کوئی تحفہ بھی لاؤں گا تو وہ تحفہ لے کر "مجھے یاد ہے" کہنا بھول جائے گی اور میں جیت جاؤں گا ۔

خیر اسی پروگرام کے مطابق وہ حج کرنے چلے گئے اور کئی ماہ بعد واپسی پر اپنے ساتھ کچھ تحفے بھی لائے ۔ وہ دل میں بہت خوش تھے کہ آج شرط کا خاتمہ کر دوں گا جس نے انھیں

زبردست مالی نقصان پہنچا رکھا ہے۔ جب وہ گھر کے نزدیک پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیوی دروازے پر ہی انتظار میں کھڑی ہے اور اس کے ہاتھ میں کوئی گٹھڑی بھی ہے۔

مُلّا نے دل ہی دل میں طے کر لیا کہ وہ بیوی کا تحفہ قبول نہیں کریں گے۔ جُونہی وہ اپنے مکان کے دروازے کے پاس پہنچے بیوی نے آواز دے کر کہا:

"یہ لیجیے! یہ ہے آپ کی امانت۔ پچھلے مہینے خُدا نے آپ کو ایک اور بیٹا عطا کیا۔"

مُلّا نے بیٹے کی خبر سُنی تو مارے خوشی کے سب شرط بھول کر اُسے جلدی سے گود میں لے لیا اور یہ کہنا بھول گئے کہ "مجھے یاد ہے۔"

پاگل کون؟

مُلّا نصرالدین کا خیال تھا کہ پیری فقیری ایک ڈھونگ ہے۔ جو لوگ صُوفی بنے پھرتے ہیں یعنی رنگین کپڑے پہن کر دوسروں کو بے وقوف بناتے ہیں یہ دراصل خود ہی پاگل ہیں۔ لیکن بہتیرے

لوگ ان کے قائل تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ صُوفی اور بُزرگ خُدا رسیدہ لوگ ہوتے ہیں۔ انھیں دُنیا سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ یہی تو اللہ کے مقبول بندے ہیں۔

مُلّا نے سوچا کہ کسی دن ان کا امتحان لیا جائے تاکہ ان کے اپنے خیال کی تصدیق ہو جائے یا صُوفیوں کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ چنانچہ وہ سیدھے سڑک کی طرف نکل گئے۔ اتفاق سے ایک صُوفی صاحب نظر آ گئے۔ وہ چہرے مُہرے سے واقعی بڑے پہنچے ہُوئے بُزرگ معلوم ہو رہے تھے۔ لانبا قد، گھنی داڑھی۔ شانوں پر کاکلیں پڑی ہُوئی تھیں اور گیروے رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ مُلّا اُن کے پاس پہنچے اور انھیں سلام کر کے ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ پھر بولے:

"محترم! اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں کچھ عرض کروں؟"

صُوفی نے جواب دیا "ہاں ہاں کہو! کیا کہنا چاہتے ہو؟"

ملّا نے کہا "بات دراصل یہ ہے کہ میں ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں جس سے آپ کی بزرگی کا پتا چل جائے گا۔ ساتھ ہی ساتھ مجھے اپنے بارے میں بھی معلوم ہو جائے گا کہ آیا میں پاگل ہوں یا ٹھیک ٹھاک ہوں ۔۔۔!"

صوفی نے کہا "جو کچھ تجربہ کرنا ہو اطمینان سے کرو۔"

ملّا نے جب یہ دیکھا کہ صوفی تجربہ کروانے پر تیار ہو گئے ہیں تو انھوں نے اپنے سیدھے ہاتھ کو دو تین بار پوری قوّت سے گھمایا اور اسی دوران مٹھی کس کے بند کر لی۔ پھر ہاتھ روک کر صوفی سے پوچھا:

"بتائیے میرے ہاتھ میں کیا ہے؟"

صوفی نے جواب دیا:

"آپ کی مٹھی میں ایک تانگہ ہے جس میں گھوڑا بھی جُتا ہوا ہے اور کوچوان بھی بیٹھا ہے۔"

ملّا بولے:

"یہ امتحان صحیح نہیں ہوا کیوں کہ تم نے یہ چیزیں دیکھ لی تھیں!"

دُور اندیشی

ملّا نصرالدین نے ایک دن بازار سے کچھ سامان خریدا۔ سامان کا وزن کچھ زیادہ تھا۔ ملّا نے اُسے خود ہی اُٹھا کر پیٹھ پر لادا اور چلنا شروع کیا۔ لیکن وہ بے چارے کمزور انسان تھے۔ اتنا بوجھ بھلا کیوں کر اُٹھاتے۔ سامان زمین پر گر پڑا اور خود پسینے پسینے ہو گئے۔ اب وہ چاروں طرف دیکھنے لگے کہ شاید کوئی مزدور نظر آئے تو اسے دو چار پیسے دے کر سامان گھر پہنچوایا جائے۔ اتفاق سے انھیں ایک مزدور نظر آ گیا۔ ملّا نے اس سے مزدوری ٹھہرائی اور سامان اس کے اوپر لدوا کر اس طرح چلے کہ خود آگے آگے اور مزدور پیچھے پیچھے تھا۔

تھوڑی دُور تک چلنے کے بعد ملّا نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو مزدور غائب تھا۔ انھیں بڑی تشویش ہوئی۔ گھبرا گھبرا کر چاروں طرف دیکھا لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ وہ پھر واپس اُسی مقام پر آئے جہاں مزدور کو لیا تھا لیکن وہ وہاں بھی نہ ملا۔

چارو ناچار گھر واپس آئے اور بیوی کی گھڑکیاں سُننا پڑیں۔

اِس واقعہ کو ایک مہینہ گزر گیا۔ ایک دِن مُلّا اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں انھیں وہی مزدور دِکھائی دیا۔ اُنھوں نے اپنے دوستوں کو بھی وہ مزدور دکھایا اور تمام واقعہ کہہ سُنایا۔ لیکن اُسے پکڑا نہیں —— !

دوستوں نے پُوچھا کہ جب وہ آپ کو مِل گیا ہے تو اس کو پکڑ کر ڈانٹیے اور اُس سے اپنا سامان نکلوائیے۔ مُلّا نے جواب دیا:

"تم میں اور ہم میں بس یہی فرق ہے۔ تم لوگ سامنے کی چیز دیکھ کر فیصلہ کرتے ہو، میں ہر بات کو دُور تک دیکھتا ہُوں اور خوب غور کرنے کے بعد فیصلہ کرتا ہُوں۔ اگر میں اُس کو پکڑ لیتا اور وہ مجھ سے ایک مہینے کی مزدُوری مانگ بیٹھتا تو میں کہاں سے دیتا۔ ایک مہینہ تو بڑی بات میرے پاس تو اب ایک دن کی مزدوری کے بھی پیسے نہیں ہیں اِس لیے میں نے اُس سے نہ مِلنا ہی مُناسب سمجھا۔"

اِنعام

ایک مرتبہ مُلّا نصرُالدین کو اپنے مُلک کے بارے میں کوئی ایسی معلومات حاصل ہو گئی جو بادشاہ کے عِلم میں لائی جانی ضرُوری تھی۔ مُلّا اپنے حُبِّ وطن کے جذبے سے مجبُور ہو کر سیدھے شاہی دربار پہنچے۔ محل سرا کے داروغہ نے انھیں اندر جانے سے روک دیا۔ مُلّا نے بڑی منت سماجت کی لیکن وہ نہ مانا اور کہنے لگا کہ تم کو بادشاہ جو کچھ اِنعام دے اس کا آدھا مجھے دینے کا وعدہ کرو تو میں تمھیں اندر جانے دُوں گا۔

مُلّا فوراً راضی ہو گئے اور بادشاہ کے سامنے پیش ہُوئے۔ اُنھوں نے بادشاہ کی خدمت میں فرشی سلام کیا اور پھر قریب جا کر چُپکے سے وہ بات بتا دی جس کے لیے وہ یہاں آئے تھے۔ بادشاہ بہت خُوش ہُوا اور بولا:

"بتاؤ تمھیں اتنی اہم خبر لانے پر کیا اِنعام دیا جائے؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"حضور پچاس کوڑے ۔۔۔!"

بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا لیکن مُلّا کے اصرار پر اس نے جلاد کو حکم دے دیا:

"اس آدمی کے پچاس کوڑے لگائے جائیں۔"

حکم ملتے ہی جلاد نے کوڑے لگانے شروع کر دیے۔ جب پچیس کوڑے پورے ہو گئے تو مُلّا نے کہا "بس ٹھہر جاؤ۔"

جلاد نے بادشاہ کی طرف دیکھا۔ مُلّا نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا:

"باقی پچیس کوڑے محل سرا کے داروغہ کے لگوائیں جس سے میں وعدہ کر کے آیا تھا کہ مجھے جو انعام ملے گا اُس کا آدھا اس کو دلواؤں گا۔"

زبردست عالم

ایک دفعہ کردستان کا مشہور عالم مُلّا کے گاؤں پہنچا۔ اُس نے سرائے میں قیام کیا۔ دوسرے دن اس نے سرائے کے لوگوں سے ملاقاتیں شروع کر دیں اور اپنی باتوں سے سب کو متاثر کیا۔ اُس کی گفتگو سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس کے پاس

علم کا خزانہ ہے۔ وہ ہر مسئلے کو فلسفہ کی روشنی میں اور ہر فلسفہ کو عام فہم انداز میں بیان کرتا۔ لوگ اس کے علم کے قائل ہو گئے اور عقیدت مندوں کا حلقہ بڑھتا چلا گیا۔

جب مُلّا کو اس عالم کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ بھی بھاگے ہوئے سرائے پہنچے اور اس کی باتیں خاموشی سے سنتے رہے۔

جب کافی دیر تک عالم کی باتیں سن چکے تو ان سے خاموش نہ بیٹھا گیا۔ وہ اپنی جگہ کھڑے ہو گئے اور عالم سے یوں مخاطب ہوئے:

"جنابِ عالی! میں بھی آپ کی طرح ایک چھوٹا سا عالم ہوں۔ میں نے بھی ملک ملک کی سیر کی ہے۔ لوگوں تک علم کی روشنی پہنچائی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی کچھ اپنے تجربات بیان کروں۔"

عالم کو مُلّا کی مداخلت بری لگی لیکن اُس کا اظہار نہ کیا بلکہ مُلّا سے فرمائش کی کہ آپ بھی اپنے تجربات سنائیں۔ مُلّا نے کہنا شروع کیا:

"صاحب یوں تو میں کئی ملکوں میں گیا۔ سفر

کے دوران کردستان جانے کا بھی اتفاق ہُوا۔ وہاں کے لوگ بڑے با اخلاق اور علم دوست ہیں۔ میں جہاں بھی گیا انھوں نے زبردست خیر مقدم کیا۔ میری باتوں کو توجّہ سے سُنا۔ سامعین میں بڑے بڑے عالم اور صُوفی بھی موجود ہوتے تھے۔ انھوں نے بھی بڑی عقیدت سے میری تقریریں سُنیں۔ میں جس سرائے میں چاہتا تھا قیام کر لیتا۔ مجھ سے کوئی پیسہ نہ لیا جاتا تھا۔ کھانا پینا سب مُفت تھا۔"

عالم نے مُلّا کی باتیں سُنیں تو بہت کھسایا۔ اُس نے سوچا کہ یہ شخص صرف اپنی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہا ہے۔ کام کی ایک بات نہیں کرتا۔ کافی دیر تک مُلّا کی لن ترانی سُننے کے بعد وہ بولا:

"محترم! یہ تو آپ سب کہہ چکے۔ اب ذرا یہ بھی بتائیے کہ آپ نے وہاں کیا باتیں کیں۔ کسی مقام پر آپ کی مخالفت بھی ہُوئی یا نہیں۔ اگر ہُوئی تو کس بات کی؟ پھر آپ نے کیا جواب دیا؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"جی ہاں جی ہاں! اب میں اسی موضوع پر

آ رہا تھا۔ ایک جگہ نہ صرف میری مخالفت ہُوئی بلکہ لوگوں نے ڈنڈوں سے پیٹنا بھی شروع کر دیا اور جب تک میں نے ان کے شہر کو خیرباد نہ کہہ دیا وہاں کے لوگ میرے پیچھے ہی پڑے رہے۔"

عالم نے پُوچھا:

"ایسا کیوں ہُوا؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"بات دراصل یہ ہے کہ میں اپنی زبان یعنی تُرکی میں تقریریں کر رہا تھا۔ اتفاق کی بات وہاں کے کچھ لوگوں کو تُرکی آتی تھی۔ بس آپ سمجھ لیجیے کہ وہ کیوں میرے دُشمن ہُوئے۔"

عالم نے پھر پُوچھا:

"جن لوگوں نے آپ کا خیر مقدم کیا تھا وہ کیسے تھے؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"وہ لوگ کُرد تھے۔ وہ صرف اپنی زبان سمجھتے تھے۔"

فیس کا حساب

ایک مرتبہ مُلّا نصرُالدّین کو شہنائی سیکھنے کا شوق

ہُوا۔ وہ اپنے گاؤں کے ایک موسیقار کے پاس گئے اور اس سے شہنائی سِکھانے کی فیس پُوچھی۔ موسیقار نے جواب دیا۔

"پہلے مہینے کی فیس تین دینار۔ اس کے بعد ایک دینار ماہانہ۔"

مُلّا نے جواب دیا:

"بہت خوب! پھر آپ ایسا کیجیے کہ میرا نام لکھ لیجیے۔ میں دُوسرے مہینے سے شہنائی سیکھنے آیا کروں گا۔"

گرم شوربہ، ٹھنڈے ہاتھ

مُلّا نصرالدین کی ذہانت اور تعلیم کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی تھی۔ چنانچہ دُوسرے شہروں اور پاس پڑوس کے مُلکوں میں رہنے والے عِلم دوست لوگ اُن سے ملنے کی تمنا کرنے لگے تھے۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک بہت قابل آدمی تھا۔ اُس نے طے کر لیا کہ وہ مُلّا کی خدمت میں ضرور حاضر ہو گا اور ان سے علم حاصل کرے گا۔ اس مقصد سے اس نے جیسے تیسے کرکے روپیہ

بچایا اور مُلّا کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستہ بڑا دُشوار گزار تھا۔ پہاڑوں کے سِلسلے تھے۔ ان کے بیچ میں پگڈنڈیوں کے اُوپر چلنا پڑتا تھا۔ مُلّا کے اس عاشق نے ہزاروں مُصیبتوں کے باوجود اپنا سفر جاری رکھا۔ اس کا خیال تھا کہ مُلّا جیسے جید عالم سے وہ ضرور کچھ نہ کچھ سیکھ لے گا کیوں کہ علم محض کتابوں سے ہی نہیں ملتا اس کے لیے کسی لائق اُستاد کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

اس شخص نے کچھ لوگوں سے یہ بھی سُن رکھا تھا کہ مُلّا میں کچھ سنک بھی ہے۔ چنانچہ اسے یہ بھی فکر تھی کہ صحیح حالت معلوم ہو جائے۔ وہ پہلے بھی کئی عالموں سے مل چکا تھا اور متعدد درس گاہوں میں جا چکا تھا۔ اس کو یقین تھا کہ وہ ایک مُلاقات میں یہ پتا چلا لے گا کہ مُلّا کیا کچھ جانتے ہیں اور مجھے کتنا علم سکھا سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ شخص مُلّا کے پاس پہنچا۔ ان کا مکان ایک پہاڑی کی چٹان پر تھا۔ قریب پہنچ کر اس نے کھڑکی سے جھانکا تو دیکھا کہ مُلّا

آتش دان کے قریب بیٹھے اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے جاتے ہیں اور منہ سے پھونکتے جاتے ہیں۔ اس آدمی کو بڑا تعجب ہوا اور گھر میں داخل ہوتے ہی اُن سے پوچھا:

"قبلہ! آپ ابھی کیا کر رہے تھے؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"وہ۔ میں اپنی پھونک سے اپنے ہاتھ گرم کر رہا تھا۔"

اس سوال جواب کے بعد دونوں طرف خاموشی طاری ہو گئی اور دونوں میں سے ایک بھی نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد مہمان نے دل ہی دل میں کہا:

"معلوم ہوتا ہے مُلّا اپنا علم مجھے نہ سکھائیں گے۔" مہمان ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ مُلّا کی بیوی دو پیالوں میں شوربہ لے کر آئیں۔ نصرالدین نے پیالہ اپنے ہاتھ میں لیا اور منہ سے شوربہ کو پھونکنا شروع کر دیا۔ مہمان نے سوچا کہ چلو اب کچھ سیکھا جائے۔ چنانچہ اس نے مُلّا سے پوچھا۔

"اُستاد جی! آپ کیا کر رہے ہیں؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"میں ذرا شوربہ ٹھنڈا کرنے کے لیے اس کو پھونک رہا ہوں۔"

مہمان چکر میں آ گیا۔ اس نے طے کر لیا کہ مُلّا عالم والم کچھ بھی نہیں ہے بس ایک دھوکہ باز آدمی ہے اور دوسروں کو بے وقوف بنایا کرتا ہے اس نے اپنے آپ سے کہا:

"ابھی یہ پاگل پھونک سے ہاتھوں کو گرم کر رہا تھا۔ اب اسی پھونک سے شوربے کو ٹھنڈا کر رہا ہے۔ بھلا ایک پھونک سے دو کام بھی ہو سکتے ہیں۔ ایسے جھوٹے آدمی پر کیا اعتبار کیا جائے۔ اب اِس سے مزید کچھ پوچھنا بے کار ہے۔"

یہ سوچ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ مُلّا سے رخصت چاہی اور مکان سے باہر نکل آیا۔ مُلّا نے بھی اُسے روکنا مناسب نہ سمجھا کیوں کہ اگر روکتے تو اس کے کھانے پینے کا بندوبست کرنا ہوتا جو مُلّا کے لیے ناممکن تھا۔

اُس آدمی نے گھر سے نکل کر پہاڑی راستہ طے

کرتے وقت سوچا:

"میرا وقت بالکل برباد نہیں ہُوا کیوں کہ یہاں آنے سے کم از کم یہ تو یقین ہو گیا کہ مُلّا عالم نہیں ہے۔"

سائنس

ایک مرتبہ ایک سائنس دان اور ایک فلسفی اکٹھا مُلّا کے پاس پہنچے اور اُن سے مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال شروع کیا۔ ان دونوں کے درمیان مُلّا ایک سوال کا بھی جواب نہ دے سکے۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ سائنس دان نے ملتے ہی مُلّا پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ میں صرف دو صورتوں میں آپ کی بات ماننے کو تیار ہو سکتا ہُوں۔ ایک تو یہ کہ آپ جو دعویٰ کریں اس کو میں تجربہ کے ذریعہ سچ پاؤں۔ دُوسرے یہ کہ میں اپنی آنکھوں سے کسی چیز کو دیکھ لوں۔ ان کے علاوہ تیسری بات میں کسی قیمت پر نہ مانوں گا۔"

فلسفی نے بھی مُلّا کو شروع میں جتا دیا:

"میں صرف ان ہی مسئلوں پر بات چیت کر

سکتا ہُوں جن کے بارے میں پہلے سے غور و فکر کر چکا ہُوں اور جس کے ہر چھوٹے بڑے پہلو سے واقف ہُوں۔ کسی نئے موضوع پر بات پھر کبھی ہو گی۔"

تینوں آدمی باتیں کرتے ہُوئے ایک راستے سے گزر رہے تھے۔ سڑک کے کنارے ایک جھیل تھی۔ مُلّا اچانک اُس کے کنارے بیٹھ گئے اور کوئی چیز اس میں ڈالنے لگے۔ سائنس دان اور فلسفی کو بڑا تعجب ہُوا۔ انھوں نے ایک ہی آواز میں پوچھا:

"مُلّا! یہ کیا کرنے لگے ہو؟ ابھی تو اچھے خاصے ہمارے ساتھ چل رہے تھے۔"

مُلّا نے جواب دیا۔

"تمھیں معلوم ہے جب تُم تھوڑا سا دہی دُودھ میں ڈالتے ہو تو وہ کِس طرح تمام دُودھ کو جما دیتا ہے۔ میں سوچتا ہُوں کہ کیوں نہ اس ضامن کو جھیل کے پانی میں ڈال کر دیکھا جائے کہ اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ آیا یہ جمتا ہے یا نہیں۔؟"

سائنس دان نے کہا:

"یہ سراسر بے وقوفی ہے کہ پانی کو دہی بنایا جائے دُودھ سے دہی بنتا ہے۔ پانی سے تھوڑا ہی بنتا ہے؟"

مُلّا بولے:

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ اِتنی سی بات میں بھی جانتا ہُوں لیکن تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لینے میں کیا حرج ہے۔ آپ لوگ بھی تو ہر بات شروع کرنے سے پہلے ہمیشہ کچھ نہ کچھ اُلٹا سیدھا فرض کر لیتے ہیں۔"

گدھے کی خریداری

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین ٹھگوں کے چکّر میں آ گئے۔ ہُوا یہ کہ مُلّا کا گدھا مر گیا۔ گدھا مُلّا کو بہت زیادہ عزیز تھا۔ ہر وقت اُن کے دم کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کی وجہ سے مُلّا کو بے حد آرام تھا۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ گدھا اُن کا شریکِ حیات تھا۔ کافی عرصہ تک اُس کے مرنے کا غم کرنے کے بعد دُوسرا گدھا خریدنے کی تیاری کی۔ بیوی کی خوشامد کر کے اِتنے رُوپے اکٹھے کیے جن سے گدھا خریدا جا سکے۔ رُوپے لے کر سیدھے منڈی گئے اور ایک اچھا سا گدھا خرید لیا۔ اب گدھے کی رسّی ہاتھ میں پکڑ کر گھر کی طرف چلے۔ راستے میں کچھ ٹھگ مِل گئے۔ انھوں نے گدھا غائب کرنے کی ترکیب سوچی۔

مُلّا پر کچھ نیند کا غلبہ تھا۔ وہ اُونگھتے ہُوئے جا رہے تھے۔ چنانچہ ایک ٹھگ نے گدھے کی گردن سے رسّی نکال کر اپنے گلے میں ڈال لی اور گدھے کو دوسرے کے حوالے کر دیا۔ جب گھر کا دروازہ آیا تو مُلّا نے پیچھے مُڑ کر دیکھا اور انھیں سخت حیرت ہُوئی۔ انھوں نے سوچا:

"یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے! میں تو گدھا لے کے چلا تھا۔ یہ اِنسان کیسے بن گیا۔"

لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ بہرحال انھوں نے خُود ہی اس ٹھگ سے پُوچھا:

"بھلے مانس! تُم کون ہو اور اس رسّی میں کیوں کر بندھ گئے۔ تمھیں معلوم نہیں میں نے تو ایک گدھا باندھا تھا اور اسی کو لے کر چلا

تھا۔"

ٹھگ نے جواب دیا:

"حضور! آپ نے مجھ پر بڑا رحم کیا ہے۔ میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔ میرا قصہ بڑا دردناک ہے..."

مُلّا نے کہا:

"بتاؤ تمھارا کیا قصہ ہے۔"

ٹھگ نے جواب دیا:

"بات یہ ہے کہ میں ایک گنہ گار انسان ہوں میں نے اپنی ماں کو بہت ستایا تھا۔ کبھی اُن کا کہنا نہ مانتا تھا اور نہ اُن کی کبھی خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس گستاخی کی وجہ سے گدھا بنا دیا۔ گدھا بن کر مجھے بہت تکلیفیں اٹھانی پڑیں مار کھانی پڑی اور دن بھر بوجھ ڈھونے پڑے۔ پھر بھی میرا مالک مجھ سے خوش نہ تھا وہ کہتا تھا کہ میں ایک "مریل گدھا" ہوں۔ چنانچہ اسی وجہ سے اُس نے آپ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ آپ جیسے فرشتہ صفت اور بزرگ انسان کی برکت سے میں پھر انسان کی شکل میں آ گیا۔

یہ سب آپ کا احسان ہے میرے مالک!"

مُلّا نے جو یہ داستان سُنی تو ان کا جی بھر آیا۔ انھوں نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور کہا:

"جاؤ آیندہ ماں کا کہنا ماننا۔"

ٹھگ نے مُلّا کو جھک کر سلام کیا اور گھر سے نکل گیا۔ مُلّا کھڑے ہنستے رہے اور دل میں خوش تھے کہ انھوں نے ایک انسان کو تکلیف سے نجات دلوا دی۔ اب مُلّا کو پھر روپوں کی ضرورت ہوئی تاکہ گدھا لایا جا سکے۔ اب کے ان کی بیوی نے پاس پڑوس سے قرض لے کر اُن کو روپیہ دیا۔

دوسرے دن منڈی پہنچے تو وہی گدھا جو انھوں نے کل خریدا تھا آج پھر بندھا ہوا پایا۔ مُلّا لپکے ہوئے اس کے پاس گئے اور جھک کر کان میں بولے:

"کیوں جناب! آپ نے میری نصیحت نہ مانی۔ پھر گدھے بن گئے۔ واقعی آپ گدھے ہیں اور اسی حالت میں آپ کو رہنا چاہیے...... اب میں آپ کو انسان نہ بنواؤں گا۔ آج کوئی

دوسرا گدھا خریدوں گا!"

سچ کی قیمت

ایک دن مُلّا نصرالدین اپنے عقیدت مندوں سے مخاطب تھے۔ تقریر کے دوران ایک مقام پر مُلّا نے کہا:

"اگر آپ کو حق کی جستجو ہے اور آپ سچ کی تلاش میں ہیں تو آپ کو اس کی قیمت بھی ادا کرنی ہو گی۔ معاوضے کے بغیر آپ کو یہ چیزیں نہ مل سکیں گی۔"

کسی نے پوچھ لیا:

"مُلّا! یہ بات ہم نے آج پہلی بار سُنی کہ سچائی بھی قیمت سے ملتی ہے، حق بھی معاوضہ سے ملتا ہے۔"

مُلّا نے فوراً جواب دیا:

"کیوں نہیں؟ کیوں نہیں؟ آپ نہیں جانتے کہ چیزوں کی قیمتیں ان کے ملنے نہ ملنے پر منحصر ہیں۔ کوئی چیز جس قدر کم یاب ہو گی۔ اس کی قیمت اتنی ہی زیادہ ہو گی۔"

خطرہ کبھی مول نہ لیں!

مُلّا نصرالدین کے زمانے میں ایک بہت بڑا عالم تھا جو شریعت کا تو قائل تھا لیکن طریقت کو نہ مانتا تھا یعنی روحانیت اور تصوف کو بے بنیاد باتیں سمجھتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ بزرگانِ دین کو بھی نہیں مانتا تھا۔

ایک مرتبہ وہ سخت بیمار پڑا۔ حکیموں نے جواب دے دیا۔ جب اس نے دیکھا کہ بچنے کی کوئی امید نہیں ہے تو سوچا کہ چلو! کسی بزرگ سے دعا کروائی جائے۔ شاید کسی اللہ والے کی دعا سے میں اچھا ہو جاؤں۔

اس خیال کے آتے ہی اس نے مُلّا کو بلوا بھیجا۔ مُلّا اس زمانے میں بڑے دین دار بزرگ مانے جاتے تھے۔ جب مُلّا اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا:

"صوفی صاحب! آپ اللہ سے دعا کریں کہ میں اچھا ہو جاؤں۔ حکیم تو جواب دے چکے ہیں۔"

مُلّا اس عالم کو پہلے سے جانتے تھے۔ اس کے

بدلے ہوئے خیالات سُن کر ان کو بڑی خوشی ہوئی۔ اونچی آواز میں بولے "آخر کار تم آگئے نا سیدھے رستے پر۔ میں دعا کرتا ہوں اللہ سے بھی اور شیطان سے بھی۔"

مُلّا کے یہ الفاظ سُن کر عالم آگ بگولا ہو گیا ناطاقتی کے باوجود اٹھ کر بیٹھ گیا اور گرج کر بولا:

"کیا بکتے ہو تم! کہیں پاگل تو نہیں ہو۔؟ میرے سامنے شیطان سے دعا مانگ رہے ہو۔"

مُلّا نے پورے اطمینان سے جواب دیا:

"نہیں جانِ من! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ تم اِس حالت میں ہو کہ کوئی خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔ جلد از جلد تم کو اچھا ہونا چاہیے اس لیے میری سمجھ میں دو ہی رستے نظر آئے۔ ایک اللہ کا دوسرا شیطان کا۔ جس کے اختیار میں ہو گا اچھا کر دے گا۔ اور اگر بالفرض اللہ صحت دے گا تو شیطان گڑبڑ تو نہ کر سکے گا۔"

غالباً حلوا

ایک دِن ایک مذاقیہ آدمی مُلّا کے پاس آیا اور کہا:

"سُنا ہے تم بڑے اچھے قیافہ شناس ہو۔ اِشاروں میں بات کی تہہ کو پہنچ جاتے ہو۔ ذرا بتاؤ تو — میری جیب میں کیا ہے؟"

مُلّا نے اِنکساری سے کام لیتے ہوئے کہا:

"قیافہ شناس تو کیا خاک ہوں، البتہ کبھی کبھار صحیح غلط تاڑ لیتا ہوں۔"

"اچھا تو پھر جلدی سے بتاؤ میری جیب میں کیا ہے۔" اُس آدمی نے اپنی جیب دِکھاتے ہوئے پوچھا:

"اچھا میں ابھی بتاتا ہوں۔ تم کچھ اِشارہ دو۔"

مُلّا نے دماغ پر زور ڈالتے ہوئے کہا:

"کھانے کی چیز ہے۔ گول گول بالکل انڈے کی طرح ہوتی ہے۔ اس کے اندر زردی بھی ہوتی ہے اور سفیدی بھی۔ بتاؤ کیا ہے —؟"

اُس نے اِشارہ دیا۔

"تو پھر میں سمجھ گیا۔ تمھاری جیب میں غالباً حلوا ہے؟" مُلّا نے فاتحانہ شان سے جواب دیا۔

سوداگر

ایک دفعہ ایک بہت بڑا سوداگر مُلّا نصرالدین کے گاؤں آ نکلا۔ یہاں ہر ہفتے منڈی لگتی تھی جہاں آس پاس کے گاؤں دیہات والے بھی شریک ہوتے تھے۔ سوداگر نے جو یہ منڈی دیکھی تو وہ کچھ روز کے لیے ٹھہر گیا اور بڑے پیمانے پر خرید و فروخت کی۔

جب گاؤں والوں نے دیکھا کہ ایسا رئیس تاجر اُن کے درمیان موجود ہے تو سب اس کا ادب احترام کرنے لگے۔ جس کو دیکھو بھاگا ہوا سوداگر کے پاس چلا جا رہا ہے اور اُسے جُھک جُھک کر سلام کر رہا ہے۔ مُلّا نے جب یہ منظر دیکھا تو بہت ناراض ہوئے اور گاؤں والوں کی عقل کا ماتم کرنے لگے۔

ایک دِن مُلّا نے ایک آدمی کو سوداگر کے آگے

فرشی سلام کرتے دیکھ لیا۔ یہ جھٹ اُس کے پاس پہنچے اور اُس سے بولے:

"ارے تم کس قدر بے وقوف ہو۔ روزانہ اُس رئیس کی خدمت میں حاضری دیتے ہو۔ کبھی کچھ ملا بھی ہے؟"

اُس آدمی نے جواب دیا:

"آپ کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکے گی مُلّا جی! یہی کیا کم ہے کہ وہ بڑا سوداگر ہے اور مجھ سے بات کرنے میں عار محسوس نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ مجھے یقین ہے کہ وہ کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ ضرور دے گا۔"

مُلّا اور اُس آدمی کے درمیان اس بات چیت کے کوئی ایک ہفتہ کے بعد سوداگر اُن کے گاؤں سے چلا گیا۔ کئی دِن بعد مُلّا بازار گئے اور وہاں ایک دُکان سے تین درجن تربوز خریدے اور کچھ نقصان پر دُوسرے دُکان دار کے ہاتھ فروخت کر دِیے۔ پھر کسی دُکان سے خربوزے خریدے اور وہ بھی کسی قدر نقصان پر بیچ ڈالے۔ اسی طرح کئی چیزیں یکے بعد دیگرے خریدیں اور

کم قیمت پر فروخت کر دیں۔ کافی دیر تک اُلٹی تجارت کرنے کے بعد واپس چائے خانے پہنچے دوسرے لوگ بھی وہاں بیٹھے تھے۔ مُلّا کو دیکھ کر سب ان کے قریب آ گئے۔ مُلّا نے ان کے لیے سبز چائے کا آرڈر دیا اور ساتھ ہی بسکٹ بھی لانے کو کہا۔

اسی وقت کسی نے مُلّا سے پُوچھ لیا:

"کیوں مُلّا صاحب! آپ یہ نقصان کی تجارت کیوں کرتے ہیں؟"

مُلّا نے گرج کر جواب دیا:

"تم کو یہ سوال کرنے کی جرأت کیسے ہُوئی۔ تم کو تو ہمارا ادب کرنا چاہیے۔ میں ایک سوداگر ہُوں اور ایک نہ ایک دن تم لوگوں کو بھی کچھ نہ کچھ عطا کر دُوں گا۔"

دعویٰ بہت ہے...

ایک مرتبہ ایک شخص مُلّا نصرُالدین کے پاس آیا اور ادب سے بولا:

"جناب! آپ کو علمِ ریاضی میں بڑا دعویٰ ہے۔

میرے سوال کا جواب دے دیں تو میں آپ کے دعوے کو دُرست سمجھوں گا۔"

مُلّا نے سوال پُوچھا تو اس آدمی نے کہا:

"یہ بتائیے کہ اگر میرے پاس آٹھ دینار ہوں اور میں انھیں تین آدمیوں میں برابر برابر تقسیم کرنا چاہوں تو ہر ایک کو کیا ملے گا؟"

مُلّا نے جواب دیا:

"یہ بھی کوئی مشکل سوال ہے۔ تینوں آدمیوں میں سے کسی دو کو چار چار دینار دے دو اور تیسرے آدمی کو فی الحال کچھ بھی نہ دو۔ جب تمھارے پاس چار دینار ہو جائیں تو وہ تیسرے کو دے دینا۔"

الصّلوٰۃُ خیرٌ مِّنَ النَّوم

ایک دن مُلّا نصرُالدین نے اپنے محلّے کی مسجد میں فجر کی اذان بڑی خوش الحانی سے دی۔ نمازیوں کو تعجب ہُوا کہ آج مُلّا کی آواز میں اس قدر رس کہاں سے آ گیا۔ خود مُلّا کو بھی اپنی اذان بہت اچھی لگی۔ جب اذان دیتے ہُوئے وہ

الصلوٰۃُ خیرٌ مّنَ النّوم پر پہنچے تو دل میں نہ جانے کیا خیال آیا، چبوترے سے اُتر کر مسجد سے باہر نکل گئے اور ایک سمت کو بھاگنا شروع کر دیا۔

راہ گیروں نے پوچھا:

"ملّا! اذان دے کر کہاں بھاگ رہے ہو؟"

ملّا نے جواب دیا:

"بات دراصل یہ ہے کہ میں نے خود اذان دی ہے اور وہ مجھے اچھی بھی لگی اس لیے یہ دیکھنے جا رہا ہوں کہ میری آواز کہاں تک پہنچی!"



پاک بک سیریز

آغا خان	حضرت عثمانؓ	سلطان محمد فاتح	غوث اعظمؒ
امام رازی	حضرت عمر فاروقؓ	سرسید احمد خان	کمال اتاترک
ابن عربی	حضرت علاؤ الدین صابر	سید احمد شہید	قائداعظم محمد علی جناح
امام ابن تیمیہ	حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ	سید امیر علی	مولانا احمد رضا خان
البیرونی	حضرت عائشہؓ	سلطان ٹیپو	مجدد الف ثانیؒ
امیر تیمور	حضرت عیسیٰؑ	سراج الدولہ	مولانا روم
امام غزالی	حضرت موسیٰؑ	شاہ ولی اللہ	محترمہ فاطمہ جناح
اکبر اعظم	حضرت علیؓ	شیر شاہ سوری	مہاتما بدھ
اکبر اعظم کے نورتن	حضرت ابوبکر صدیقؓ	شاہ عبداللطیف بھٹائی	محمد بن قاسم
اورنگ زیب عالمگیر	حیدر علی	شاہ جہاں	محمود غزنوی
امیر خسرو	خواجہ معین الدین چشتیؒ	صدر ایوب	نور جہاں
بلھے شاہ	خالد بن ولید	صلاح الدین ایوبی	وقار الملک
بابا فرید گنج شکرؒ	داتا گنج بخشؒ	طارق بن زیاد	وارث شاہ
جہانگیر	رضیہ سلطانہ	ظہیر الدین بابر	ہارون رشید
چاند بی بی	زرتشت	عمر بن عبدالعزیزؒ	یاجوج ماجوج
حضرت امام حسینؓ	سلیمان اعظم	علاؤ الدین خلجی	

FEROZSONS BOOK CORPORATION LIMITED

فیروز سنز بک کارپوریشن لمیٹڈ